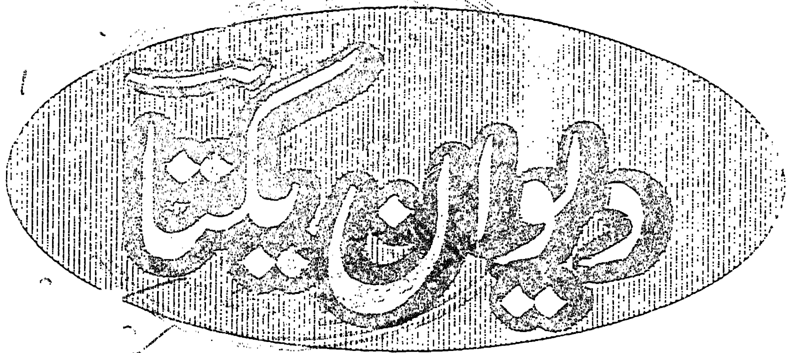


نواب غلام دستگیر خاں یکتا قائم خانی مرحوم



مرتب: محمد حیدر علی خاں BA.Bed.

جملہ حقوق بحق محمد حیدر علی خاں محفوظ ہیں

نام شاعر: نواب غلام دستگیر خاں یکتا قائم خانی

نام مرتب: محمد حیدر علی خاں B.A.B.Ed.

سکونت: 3/28-5 شمس آباد ضلع رنگاریڈی، 8 1 2 1 0 5
آندھرا پردیش

اشاعت اول: 1998

تعداد: 500

کتابت: ورڈ ماسٹر کمپیوٹر انفاریٹک سنٹر، ملے پلی حیدر آباد

طباعت: حمیدیہ پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار حیدر آباد۔ 4577713. : ✆

قیمت برائے شائقین: Rs.50-00

برائے لائبریز: Rs.70-00

یہ کتاب اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی جزوی اعانت سے شائع کی گئی ہے۔

ملنے کا پتہ مکان نمبر 3/28-5 شمس آباد۔ ضلع رنگاریڈی 8 1 2 1 0 5

آندھرا پردیش۔

مقدمہ

نواب غلام دستگیر خاں قائم خانی جاگیردار ایک بلند پایہ شاعر تھے اور یکتا تخلص فرماتے تھے۔ بچپن سے ہی آپکو شعرو سخن کا شوق تھا انہوں نے اپنی ساری زندگی شعروشاعری ہی میں گذاردی۔ شاعری کا ایسا ذوق تھا کہ وہ اٹھتے بیٹھتے شعر کہا کرتے تھے۔ یکتا یکم شعبان ۱۳۲۹ ھ بروز جمعہ سرزمین حیدرآباد کے مشہور جاگیرداری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد کا نام غلام لیسین خان تھا جو جمعدار نظم جمعیت سرکار عالی تھے۔ آپکے والد بھی پایہ کے شاعر تھے چنانچہ شاعری کے گن گویا آپکو ورثہ میں ملے۔ آپکے والد کے دو دیوان بھی شائع ہوچکے ہیں ایک کنز مخفی دیوان لیسین فارسی اور دوسرا کنز تحقق دیوان لیسین اردو ۱۳۶۰ ھ میں شائع ہوچکے ہیں جس میں نواب غلام دستگیر خان یکتا کا بھی ذکر موجود ہے۔

نواب غلام محی الدین خاں جاگیردار منصبدار و مقطعہ دار آپکے بڑے بھائی تھے اور نواب غلام محبوب خان جاگیردار چھوٹے بھائی تھے اور ایک ہمشیر بھی تھیں آپ حیدرآباد ہی میں تعلیم حاصل کئے۔ آپ علامہ ہادی علی ہادی کنتوری کے جانشین تھے جنکا سلسلہ استاد امام بخش ناسخ لکھنوی سے ملتا ہے۔

یکتا قائم خانی کو تین ہزار روپیے جاگیر معاش بحال تھی مہاراجہ پرتھوی راج چوہان کے سلسلہ کے موٹے رائے کے چار فرزندان فیروز شاہ تغلق کے دست پر برضا و رغبت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جن میں سے بڑے فرزند قائم سنگھ کا نام محمد قائم خان رکھا گیا اور خان جہاں کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ یہ امیرالامرائی پر فائز ہوئے اور ریاست فیروزہ کے والی قرار پائے۔ جسکا ذکر تاریخ فیروز شاہ میں موجود ہے۔ اسطرح

سے آپکا سلسلہ قائم خانی کہلاتا ہے قائم خانی سلسلہ کے نواب غازی خان بہادر معہ فوج آصف جاہ اول کے دور میں حیدرآباد آئے اور یہیں بس گئے۔

یکتا قائم خانی شہرت پسندی کے قائل نہیں تھے زندگی کا زیادہ تر وقت گوشہ نشینی میں گذرا۔ لکھتے ہیں

ہمیں کیا کام دنیا سے کہیں شادی ہو یا ماتم
ہم اپنے کنج تنہائی کو اک عالم سمجھتے ہیں

البتہ مخصوص مشاعروں میں حصہ لیا کرتے تھے اور انہیں طرحی مشاعروں سے زیادہ رغبت تھی۔ طرحی مشاعروں میں بھی شرکت کرتے، اچھے شعر کہتے اور سامعین سے بہت داد حاصل کرتے۔ لیکن انہیں شہرت پسند نہیں تھی وہ کہتے ہیں

لکھتا ہوں میں غزل میں مضموں تیرے دہن کا
لیکن مزا تو جب ہے چرچا نہ ہو سخن کا
داد ملتی تھی مجھے اپنے سخن کی یکتا
آج غالب سا کوئی اہل ہنر ہونا تھا

یکتا قائم خانی اپنے استاد محترم علامہ ہادی علی ہادی کا بہت احترام کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے استاد محترم کے بارے میں اپنے خیالات کا کچھ اسطرح اظہار کرتے ہیں

خدا قائم رکھے یکتا مرے استاد ہادی کو
کہ باقی اب یہی تو اک سخن سنج و سن خور ہے

آپکے بیشمار شاگرد تھے جو اصلاح کلام کے لئے اکثر آپکی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ یکتا قائم خانی ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی اور میانہ روی سے پیش آتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں۔

اس سے کیا غرض ہمکو نیک ہو یا بد کوئی
سب سے صاف رہتے ہیں آئینہ ہے دل میرا

بشر ہیں بشر ہی سے رکھتے ہیں الفت
فرشتے نہیں ہم جو حوروں کو چاہیں

یکتا قائم خانی اپنی شاعری میں ہر موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔انہوں نے اپنی پوری شاعری میں اور عموماً غزلوں میں خصوصاً استعاروں اور تشبہات کو استعمال کرکے شاعری کے رنگ کو اور نکھارا ہے وہ کہتے ہیں۔

تنزل سے ترقی کے لئے درکار ہے مدت
بنا ہے قطرہ نسیاں گہر آہستہ آہستہ

اے بت بلا سبب نہیں کعبہ سیاہ پوش
مدت سے کررہا ہے یہ در پردہ غم ترا

اسطرح پیکر تراشی کے جا بجا استعمال سے اپنی شاعری میں شعریت اور اخلاقیت پیدا کی ہے۔یوں تو شاعر ترقی پسند ہو یا نہ ہو وہ اپنے سماج سے کٹ کر اور ہٹ کر نہیں رہ سکتا لیکن پھر بھی

کیوں نہ ہر گھر، ہر انسان کی باتیں ہوں جدا
جب صدا دیتا ہے طنبور کا ہر تار الگ

یکتا قائم خانی کو شعور کی پختگی اور بصارت کی تابندگی نے انکی انسانیت دوستی اور ایک بہتر مستقبل کی تمنا، بزرگوں کا برتاؤ، حادثے المیئے، مایوسیاں، نامرادیاں اور شادمانیاں ان سب کی آمیزش کو انہوں نے اپنے فن میں بتایا ہے۔انکی شاعری میں فکر سے بھرپور کچھ اشعار ایسے ہیں جنکی تشریح انکے ساتھ انصاف نہیں کریگی۔اور وہ

شعر جو رومانیت کی رنگین فضاء میں لے جاتے ہیں

نظارہ اپنا جو منظور ہو تو ہم کو دیکھ
کہ تیرے حسن کے آئینہ دار ہیں ہم لوگ

جنھیں آنکھیں خدا نے دی ہیں دیکھیں روز و شب اس کو
دکھاتا ہے وہ جلوہ دن کو خود شب کو قمر ہو کر

ایسے رومانی اشعار جنکے بغیر عام خیال کے مطابق غزل، غزل نہیں ہوتی یکتا قائم خانی کی غزلوں میں کم نہیں ہے۔ ان کے کلام میں عشق حقیقی کا بھی اظہار کیا گیا ہے جسمیں مذہبی جھلک نمایاں پائی گئی ہے۔ کبھی تو وہ کہتے ہیں

نا خدا کشتی امت کا ہے محبوب خدا
پار کس طرح نہ بیڑا ہو گنہہ گاروں

ممکن نہیں دیکھے کوئی اس پردہ نشین کو
موسیٰ کو نظر آئی فقط طور پر آتش

عاصی ہیں روز حشر کہیں گے پکار کے
ہم مستحق ہیں رحمت پروردگار کے

اگر چشم حقیقت بیں سے نظارہ کرے کوئی
زمین کا ذرہ ذرہ جلوہ خالق کا مظہر ہے

سجدوں پہ شیخ کو، مجھے رحمت پہ ناز ہے
اب دیکھیں کون پیش خدا سرفراز ہے

دل سے رجوع تو ہوتے ہیں دربار حق میں ہم
آزاد قیود سے اپنی نماز ہے

طاقت دید نہ تھی دیدہ موسیٰ میں اگر
جلوہ افروز بہ انداز دگر ہوتا تھا

بھروسہ ہے تیرا ہی اے رحمت حق
تجھی پر ہیں ہم عاصیوں کی نگاہیں

بخشش ہماری ہوگی کہ زاہد کی حشر میں
ہے رحمت خدا تو گنہگار کے لئے

نہیں خود گرمی خورشید محشر
مرے ہاتھ جام کوثر رہے گا

کہتے ہیں کہ ہیں ہاتھ ہزاروں ہی خدا کے
کھل جاتے ہیں در سینکڑوں ہو ایک اگر بند

نہ پدر ہوتا ہے ہم راہ عدم میں نہ پسر
ساتھ انسان کے فقط اس کے عمل جاتے ہیں

سب مسافر ہیں یہ دنیا ہے سرائے فانی
آج جو آئے ہیں اس گھر میں وہ کل جاتے ہیں

یکتا قائم خانی نے یوسف، زلیخا، شیرین فرہاد، قیس، ان تمام کی عشق کی تصویروں کو اپنے اشعار میں اتارا ہے

کھینچ کر عشق کہاں لے گیا تھا یوسف کو
کچھ زلیخا نے سنا حال بھی بازاروں کا

شکل یوسف کے سوا آتا نہ تھا کچھ بھی نظر
حسن تھا یعقوب کی آنکھوں میں بینائی نہ تھی

نام اب کوہکن و قیس کا ہوگا معدوم
تیرے وحشی طرف دشت و جبل جاتے ہیں

دل نشینوں پہ اثر سوزش دل کا کیا ہو
جل گیا طور مگر حضرت موسیٰ نہ جلے

بہشت سے نہیں کم خانہ محبت بھی
ضعیف ہوکے زلیخا جواں نکلتی ہے

یکتا قائم خانی سے تقدیر اور تدبیر بھی بہت سے شعر کہے ہیں۔ وہ تدبیر سے زیادہ تقدیر کو مقدم مانتے ہیں۔

ہاتھ ہے تقدیر کا بھی اس میں پوشیدہ ضرور
گو کوئی کار بشر، تدبیر سے خالی نہیں

نہ بدلنی تھی نہ بدلی کسی صورت تقدیر
سچ ہے تقدیر کے آگے نہیں چلتی تدبیر

نالے میں شب ہجر کئے اور دعا بھی
بدلی کسی صورت سے نہ تقدیر ہماری

بہتر تو یہ ہے صلح کسی شرط سے کرلے
تقدیر سے کیوں لڑتی ہے تدبیر ہماری

یکتا قائم خانی ایک حسن پرست انسان تھے ایک یہاں شعر گوئی محض مشغلہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے جذبات و احساسات اور تجربات کو پیش کرنے کا ان کے اظہار کا وسیلہ مانتے ہیں، سیال سے دریا کے پانی کی طرح صاف و شفاف اور رواں دواں شاعری شاید یہی انداز غزل کو راس آیا اور ہر عہد کے شاعر نے غزل ہی کے سہارے

اپنے احساسات کو پیش کیا۔ یکتا قائم خانی کی بھی غزلیات اسی انداز کی ہیں، انکے شعر میں قلب کی دھڑکنیں صاف طور پر سنائی دیتی ہیں۔

مانا یہ زندگی ہے وہ ہے لطف زندگی
کس طرح پھر عزیز نہ ہو مجھ کو جاں سے دل

ہر طرف پڑ رہی ہے یار کی دزدیدہ نظر
دل کو کس طرح بچاؤں کوئی پہلو بھی نہیں

یکتا قائم خانی کی شاعری کا سب سے روشن پہلو ان کی انسان دوستی، مذہبی رواداری، شوکت الفاظ بلند پروازی اور مضامین کی تمثیل کے ساتھ ساتھ بیان کرنا ان کی شاعری کے خاص جوہر ہیں۔ آپ کے کلام میں استعارے تشبیہات اور تلمیحات سے بھرپور ہیں آپکے کلام میں زور تخلیل، وسعت معنی، زبان کی روانی وشرینی، شعر کی شوقی اور پھڑک انداز بیان کی بے ساختگی اور لطیف رمزو اشعارات آپ کے کلام کو بولتا جادو بنا دیتی ہے۔

دل ہے گھر آپ کا یہاں رہیئے
غیر کا اس میں کیا اجارہ ہے

یکتا کی تخلیقات میں ان کا مادی و فلسفیانہ نقط نظر بہت غور طلب ہے انھوں نے بعض جگہ فلسفہ واخلاق سے متعلق شاعرانہ انداز میں اظہار خیال کیا ہے

ملے فرصت اگر کچھ بھی، غم سوز نہانی سے
سنائے داستاں ہر رات شمع انجمن تازہ

ناز و انداز و کرشمہ ہی پہ موقوف نہیں
نگہہ یار ہے دل لینے کو تیار الگ

جس طرح غزل کے ترکیبی عناصر اور علامتوں کے ذریعے سے مجاز کے ڈھانے میں حقیقت کو پیش کرتا ہے اسی طرح ان کے اجزائے ترکیبی کی رمز کی مدد سے بندہ بندہ بندہ و خدا، بندہ و دنیا وغیرہ کے رشتوں اور ایک دوسرے کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتا ہے۔

کرم خدا کا اگر ہو شریک حال تو پھر
قفس ہے میرے لئے باغ و بوستاں صیاد
جتنے ہیں زر پرست ہیں کوئی نہیں خدا پرست
بندہ حق کہیں، جسے ایسا کوئی بشر بھی ہے

مجاز ہو کہ حقیقت اس شدت احساس سے جو کیفتیں رونما ہوتی ہیں دل میں جو جذبات واحساسات موجزن ہوتے ہیں اور جو واردا تیں گذرتی ہیں یکتا ان کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں جو بھی شخص پہلو میں دل رکھتا ہے انکی صداقت سے انکار نہیں کر سکتا کے کلام میں سوزو گداز بھی بلا کا پایا جاتا ہے۔ان کی شاعری میں ہمہ جہتی ترقی کا سبق ملتا ہے وہ اعلیٰ اقدار اور خیال کے حامل تھے

یکتا کے کلام کو پڑھنے سے ہمیں انکی شاعری پہلو دار معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنی اپج اور زور طبیعت کی بھی شہادتیں پیش کی ہیں۔ اسطرح انکے یہاں ندرت خیال کے نقش، رنگ دکھائی دیتے ہیں۔

شاعری میں یکتا کا خاص میدان صنف غزل ہے مگر انھوں نے اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کرکے اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے وہ غیر معمولی روانی طبع رکھتے تھے کہ اس تیزی سے شعر کہتے تھے کہ انکی باتیں شعر کی طرح ہوتی تھیں۔

زندگی کسی کے لئے آنسو ہوتی ہے کسی کے لئے نغمہ کسی کے لئے تبسم، کسی

کے لئے آہ، مگر زندگی نغموں اور مسکراہٹوں کے نور میں ہمیشہ نہیں نہاتی ۔ عرصہ حیات کا بیشتر حصہ آنسوؤں کی نمی اور آہوں کے دھوئیں میں چھپا ہوتا ہے جو لوگ حوادث زمانہ سے شکست کھاکر بیٹھ جاتے ہیں وہ گویا جیتے جی مر جاتے ہیں اور جو زندگی کو آزمائش سمجھکر ہر معیبت جھیلتے ہیں وہی سرخرو ہو کر کارزار حیات سے نکلتے ہیں۔

ہاتھ ہے تقدیر کا بھی اس میں پوشیدہ ضرور
گو کوئی کار بشر، تدبیر سے خالی نہیں

حسن ظن چاہیے انسان کا یہی جوہر ہے
کوئی کیسا ہی برا ہو اسے اچھا سمجھو

یکتا کے کلام میں میر، انشا، سودا، سوز، ناسخ کا رنگ پایا جاتا ہے ۔ اسلوب کی سادگی میں سوز اور میر کے مشبہ ہیں ۔

یکتا الہامی شاعر تھے شعر خود بخود انکے ذہن کے دریچے میں سمو جاتے تھے اور انکے نوک قلم سے کاغذ پر تحریر ہوا کرتے تھے ۔

انکے کلام کا مطالعہ کرنے سے ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کے حالات کا آج کے دور میں ہم وہی حالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں ۔ آپکو عربی پر بھی کافی عبور تھا۔ آپکے بعض اشعار میں عربی آیاتیں بھی ملتی ہیں ۔

آئینہ دیکھ کے پڑھیے تبارک یکتا
نظر آتی ہے عجب شان خدا شیشے میں

یکتا ہے یاد آیت لا تقنطو مجھے
مایوس کیوں ہوں رحمت پروردگار سے

آپکے اشعار میں بندش کا حسن، روانی کا زور اور زبان کی شستگی پائی جاتی ہے

وصل ہوگا ان کا یا ہوگا وصال
کوئی تو حسرت نکالی جائے گی

یکتا وطن پرستی کا بھی جذبہ رکھتے تھے انہیں اپنے وطن سے بہت پیار تھا۔ اور دکن کو علم و فن کا مرکز سمجھتے ہیں

غربت میں ہو میسر آرام کیا وطن کا
ٹوٹا ہے کوہ ہم پر ، رنج و غم محن کا
بہتا تھا لکھنو میں دریا کبھی سخن کا
اب صرف یہ دکن ہی مرکز ہے علم و فن کا

یکتا نے عشق و عاشقی کے جذبے کو اپنے شاعری میں ایک خاص جگہ دی ہے۔

زمیں سے اٹھ نہ سکا آسمان سے اٹھ نہ سکا
وہ بار عشق فقط ہم اٹھانے والے ہیں

زیست کا لطف اٹھانا ہے اگر دنیا میں
درد دل ، سوزجگر ، آہ و رسا پیدا کر

یکتا نے کبھی جام و جم کو ہاتھ بھی نہیں لگایا وہ صوفی منش آدمی تھے و۔ کہتے ہیں

ہم رند بلا نوش ہیں سمجھا ہے ہمیں کیا
ساقی ابھی خالی تیرا مہ خانہ کریں گے

کیا بات ہے مجھ رند رند بلا نوش میں ایسی
کیوں سر کو جھکا لیتا ہے شیشہ مرے آگے

یکتا نے اپنی شاعری میں زر پرست نرالی نمائش کرنے والے کو بھی نہیں چھوڑا کہتے ہیں

مٹے جاتے ہیں لاکھوں زال دنیا کی نمائش پر
مگر ہاں دام میں اس کے کوئی دانا نہیں جاتا

جتنے ہیں زر پرست ہیں کوئی نہیں خدا پرست
بندہ حق کہیں جسے ایسا کوئی بشر بھی ہے

دولت کے لئے خاک میں عزت کو ملایا
پھر بھی ہوئی چشم ہوس طالب زر بند

یکتا کی شاعری انکی دلی اور عشق میں ڈوبے ہوئے تاثرات ہیں۔ اگر فن کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو مشکل ہے ہاں دلوں کے لئے سکون کا باعث ہیں جو عشق سے لبریز ہیں۔ شاعر کو تو صرف اسکا محبوب چاہیے یا پھر اسکی یاد۔ اسی میں وہ ہمیشہ دنیا و مافیہ سے بے خبر ہو کر اپنے ہی عشق کی دنیا میں گم رہتا ہے۔ یہی حال یکتا قائم خانی اور انکے کلام کا ہے۔

وارفتگان عشق کی مجبوریاں نہ پوچھ
ہیں اختیار میں دل بے اختیار کے

آنکھیں کھلی ہیں اک مہ خوبی کے شوق میں
تارے چمک رہے ہیں شب انتظار کے

ہوا ہے خانہ دل میں یہ حسرتوں کا ہجوم
جگہ جو تنگ ہے گھبرا کے جاں نکلتی ہے

یکتا قائم خانی کے اشعار واردات قلبی کا نتیجہ ہیں جن پر کیف و تجلی اور حضوری کی فضاء چھائی نظر آتی ہے۔ بہت ہی آسان لفظوں میں بڑی ہی سادگی کے ساتھ فکر کی بلند پروازیاں عشق و عقیدت کی وارفتگیاں سے دل سوزی اشعار سے جھلکتے ہیں

سو سو طرح لیتے ہیں یکتا وہ دل مرا
ان کا مری طرف وہ بہ صد ناز دیکھنا

کامل ہو اگر عشق تو بندھتا ہے تصور
آگے وہ نہیں میرے مگر دیکھ رہا ہوں

یکتا جب قلوب عشق حقیقی کی عمیق وادیوں میں محو ہو کر غور و فکر میں ڈوب جاتے ہیں تو کہتے ہیں

میں مست ہوں تصور چشم نگار سے
سودا نہیں ہے سر جو پھراؤں خمار سے

ہے طول داستاں مری کوتاہ روز حشر
لینا پڑیگا کام مجھے اختصار سے

یکتا طبعاً حسن پرست اور رومان پسند شاعر تھے اور انہیں ماحول بھی ایسا ملا جس نے انکی طبیعت کے اس میلان تقویت پہنچائی وہ کہتے ہیں

دونوں ، زلفیں یار کی اور عارض انور کا عکس
کالی راتیں ہیں مگر ، تنویر سے خالی نہیں

یکتا قائم خانی کی شاعری ان ہی پری جمالوں کے حسن و غمزے کی تصویر اور شاعر کے عشق بے پایاں کی تفسیر ہے حسن کی قربت اور تصور عشق کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیا تھا۔

میں تیری جلوت میں تھا تو کیا تھا اب اپنی خلوت میں ہوں تو کیا ہوں
ہے دل میں ہر دم خیال تیرا ، زباں پر تیری ہی یار باتیں
عشق اور حسن میں جو ربط ہے کھل جائے ابھی

ایسے بسمل کے تڑپنے پہ جو قاتل۔تڑپے

یکتا کی شاعری کا ایک اور پہلو ان کی حب الوطنی اور قوم پرستی ہے سبھان کی شب و روز میں انہیں والہانہ وابستگی ہے۔

یکتا قائم خانی نے اپنی شاعری میں بلبل کے نغمے، گلشن کی داستان، اڈاد کی بے رحمیاں باغباں کی مجبوریاں، قیدی کی پکار، خزاں اور بہار کے دنوں کا بھی زکر کیا ہے

حرام مجھ پہ قفس میں یہ آب و دانہ ہے
اسیر ہوں میں نہیں تیرا مہماں صیاد
بلبلیں ساری تڑپ جائیں چمن میں سوسن
لب خاموش سے اپنے وہ صدا پیدا کر
قفس سے چھٹ کے بھی راحت ملی نہ یکتا کو
زمیں بدل گئی بدلا نہ آسماں صیاد

یکتا قائم خانی نے دوست کی دوستی کو بھی اپنے فن میں جگہ دی ہے۔دوستوں کی وفائیں اور جفاؤں کو وہ یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں

ہم نے اپنی سی تو کہیں ، ان سے وفائیں کیا کیا
وہ جفا دوست ہمارا نہ ہوا ، پر نہ ہوا
سمجھا تھا جسے دوست میں نکلا وہی دشمن
کچھ رنگ زمانے کا دگر دیکھ رہا ہوں
دوست یکتا جب سے وہ اپنا وہ یگانہ ہوگیا
سارا عالم پھر گیا دشمن زمانہ ہوگیا

مذہبی نقطہ نظر سے وہ شیخ و برہمن کو برابر سمجھتے ہیں۔دیر و حرم میں فرق نہیں سمجھتے کہتے ہیں

دیا ہم کو شیخ و برہمن نے دھوکا
ہیں دیر و حرم ہی تیری جلوہ گاہیں

یکتا کبھی بن کر، کبھی شمع تربت بن کر اپنی بے کسی کی داستان سناتے ہیں

بات کیا شمع کی کیوں کاٹی جاتی ہے زباں
کیا خموشی بھی یہاں تقصیر سے خالی نہیں

مانند شمع منھ سے کلیجہ نکل پڑے
آہیں مری طرح سے جو شب بھر کرے کوئی

بجھا دے صبا شوق سے شمع تربت
مرا داغ دل تو منور رہے گا

یکتا قائم خانی نے دل میں موجزن ہونے والے ہر لمحے کو شاعری کے نت نئے انداز پیش کیا ہے۔

اے دل وحشت زدہ یہ کیا سمائی ہے تجھے
جانب صحرا چلا ہے چھوڑ کر کیوں گھر بھرا

ہمارا حال ہو کیون کہ نہ قابل عبرت
انہیں سے ربط ہے جو دل دکھانے والے ہیں

سوزش دل کی داستان طول بھی شرر بھی ہے
بھڑکے تو ایک شعلہ ہے چمکے تو یہ شرر بھی ہے

چھوڑ اے دل زلف پیچاں کا خیال
تجھ سے یہ ناگن نہ پالی جائے گی

یکتا قائم خانی واعظ و نصیحت، خیر و شر نیکی اور قربانی واعظ و شیخ صاحب کی

باتوں کو شاعرانہ انداز میں بیان فرمایا ہے

کچھ سمجھ میں ذرا نہیں آتیں
شیخ صاحب جناب کی باتیں
نہ سمجھا ہم کو اے ناصح تجھے کیا ہم سمجھتے ہیں
جو سمجھاتے ہیں اوروں کو بہت خود کم سمجھتے ہیں
واعظ نہ ہم کو چشم حقارت سے دیکھیے
ایسا نہ ہو کہ حشر میں ہوں شرم سار آپ
اے شیخ کر نہ تذکرہ جنت و جحیم
خاکی ہیں ہم کو کام نہیں نور و نار سے

فطرت اور اسکے مناظر ہر روز ایک نت نئے روپ میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ لیکن انکی صحیح طور پر عکاسی کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں یکتا قائم خانی نے ہر لمحہ جہاں کی کیفیت کو خوبصورت اشعار کے روپ میں ڈھالا ہے

ہر چند عمر گزری ہے سودائے عشق میں
واقف نہ آج تک ہوا سودوزیاں سے دل
زیست کا لطف اٹھانا ہے اگر دنیا میں
درد دل، سوز جگر آہ رسا پیدا کر

وصال یار اور خیال یار کے بارے میں بھی اشعار کہے ہیں۔یوں تو ہر شاعر کے نزدیک ہر وقت دل کی دھڑکن کی طرح اسکا محبوب اسکا یار بسا رہتا ہے اور عالم مدہوشی میں صرف اور صرف اپنے محبوب کی ہر ادا کو دیکھتا ہے محسوس کرتا ہے اور ان محسوسات کو شعر کے روپ میں دھارتا ہے

خیال یار کس دن دل میرا تڑپا نہیں جاتا
ہوائے دید کا جھونکا ادھر کب آ نہیں جاتا

تجھی میں جان ہے آنکھیں کھلی ہے دم ہے ہونٹوں پر
ترے بیمار کا یہہ حال اب دیکھا نہیں جاتا

اسی کو کہتے ہیں اک جان اور دو قالب
ادھر تو فصد کھلے اور ادھر لہو نکلے

ایک ہو جل کے اسے دل کی لگی کہتے ہیں
لطف جلنے کا ہے جب صورت پروانہ جلے

یکتا قائم خانی اپنے اشعار میں کہیں عمر کی درازی کی دعا کرتے تو کہیں دراز عمر کو عذاب جان سمجھتے ہیں

جتنے کہ پھول تونے دیے ہم کو باغ سے
اتنی عمر ہو تری اے باغباں دراز

کیا فائدہ ہے تونے گر اس دہر تنگ میں
پائی مثال خضر جو عمر رواں دراز

انسان کی صورت زیادہ اسکی سیرت کو اہمیت دی جاتی ہے اس لئے کہتے ہیں

ساتھ صورت کے یہ لازم ہے کہ ہو سیرت بھی
رشک یوسفؑ بھی کوئی ہو تو پیمبر نہ ہوا

حضرت آدم علیہ سلام نے دانہ گندم کو منع کرنے پر بھی کھالیا تھا اور وہ اپنی اس حرکت پر بہت شرمندہ تھے کہ انہوں نے پروردگار کی نافرمانی کی ہے لیکن اسکے پیچھے کیا راز پوشیدہ تھا

حقیقت میں اسی سے تو ہوئی دنیا کی آبادی

فریب دانہ گندم کو کیا آدم سمجھتے ہیں

یکتا قائم خانی مئے، ساغر، رند، شیشہ ان تمام سے فرضی رشتہ رکھتے ہیں لیکن کیفیت اور اظہار کچھ اس طرح سے کرتے گویا کہ وہ تمام چیزیں فرضی نہیں بلکہ مکمل طور پر طبعی ہوں وہ اپنے اشعار میں کچھ اسطرح مہ خواری کی کیفیت بیان کرتے ہیں

ہاتھ میں ساغر مئے ہو رخ ساقی پہ نظر
سامنے شیشۂ مئے ۔ ہوش ربا شیشے میں
پھر خیال نگہہ مست سے سرشار ہے دل
لطف اب جام میں ہے کچھ نہ مزا شیشے میں
دیکھ کر جام تہی آنسو بھر آئے آنکھ میں
ایک خالی ہوگیا تو دوسرا ساغر بھرا
تا سیر چمن کا بھی آجائے مزا ساقی
عکس رخ رنگیں بھی کچھ ڈال دے ساغر میں

یکتا قائم خانی نے اپنے بخت کی بدحالی ستم زمانہ اور اپنے حوصلہ کو اپنے اشعار میں بیان کیا ہے۔

گردش سے مرے بخت کی چکر میں فلک ہے
ہوں کیوں نہ مہ و خور تہہ و بالا میرے آگے
میں سیہ بخت آزل ، پھر بھی اندھیرے میں رہا
مجھ کو کیا شمع بھی ، تربت پہ جلے یا نہ جلے

اور پھر کیا کہتے ہیں

کیا بتائیں تم سے ہم ، آغاز و انجام حیات

خاک سے پیدا ہوئے ہیں خاک میں مل جائیں گے

یکتا قائم خانی نے اپنے حوصلہ کی ترجمانی بھی اپنے قلم کی زبان سے ظاہر کرتے ہیں

ٹکر فلک سے لیتی ہے ، اللہ رے باغ
دیکھو تو حوصلہ مری مشت غبار کے

اپنے منزل مقصود کو پانا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ منزل کی تلاش میں ہر آدمی گرداں ہیں۔ کوئی منزل کی تلاش میں اتنی دور کت نکل جاتا ہے کہ منزل کے نشان کچھ کچھ نظر آنے لگتے ہیں لیکن اس وقت میں اجل یعنی موت اپنے اپنے سایہ ڈالنا شروع کر دیتی ہے اور پلک جھپکتے ہی آدبوچ لیتی ہے

نہ آتی موت رستے میں بلا سے پاؤں تھک جاتے
پہنچتے منزل مقصود پر آہستہ آہستہ

مرگئے پر بھی نہ ہم قید مصیبت سے چھٹے
عمر بھی زلف نے پابند سلاسل رکھا

یکتا قائم خانی کا کلام عشق مجازی سے بڑھکر عشق حقیقی پر مبنی ہے، جذبات کا اظہار کو بہت ہی سہل اور آسان انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ کہیں بھی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا گیا۔

نواب غلام دستگیر خان یکتا کے غیر مطبوعہ کلام کو شائع کروانے کیلئے بڑی جانفشانی اور کھٹن مراحل سے گذر کر انکے کلام کو برسہابرس کی کوششوں سے ان کے چیدہ چیدہ غزلیات کو یکجا کر کے ایک دیوان کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے اس دیوان کو شائع کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ انکے غیر مطبوعہ کلام کو محفوظ کیا جائے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں ان سے واقف ہوسکے اور انکے کلام سے استفادہ کرسکے۔

راقم الحروف اور محمد قمرالدین خان قمر نے بھی یکتا قائم خانی سے بے حد لگاؤ رکھتے تھے۔اس لئے ان کے کلام کو دیوان کی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔

یکتا قائم خانی راقم الحروف کے حقیقی چچا تھے۔اس کے علاوہ راقم الحروف کے بھائیوں میں قابل ذکر نواب محمد قمرالدین خاں قمر مرحوم، نواب محمد شمس الدین خاں مرحوم، نواب حشمت علی خاں ایڈوکیٹ ہائی کورٹ، نواب محمد یوسف علی خاں، نواب محمد رونق علی خاں، نواب محمد روشن علی خاں، نواب محمد واجد علی خاں، پھوپیرے بھائی ہیں۔ مسٹر محمد عبدالمجید بہنوئی ہوتے ہیں۔راقم الحروف کے فرزندوں میں قابل ذکر مسٹر محمد واحد علی خاں مسٹر محمد مظفر علی خاں راقم الحروف کے دامادوں میں مسٹر عبدالقادر جیلانی، مسٹر عبدالعظیم شامل ہیں

نواب غلام دستگیر خاں یکتا کا انتقال 27 / جولائی 1964 ء میں ہوا۔

مرتبہ

محمد حیدر علی خان

بسمہ اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

محمد حیدر علی خاں صاحب کا شمار شمس آباد کے ممتاز سماجی کارکنوں میں کیا جاتا ہے۔ موصوف شمس آباد کے لئے محتاج تعارف نہیں ہیں۔ آپ معتدل مزاج اصول پسند ہیں محنت اور جستجو آپ کی خصوصیات ہیں۔ ان کو مذہبی و سماجی کاموں سے خصوصی دلچسپی ہے۔ غریبوں اور پست اقوام، اقلیتوں کی خدمت اور ان کی تعلیمی معاشی حالت کو بہتر بنانے میں مصروف رہتے ہیں۔ شمس آباد منڈل کے تقریباً سبھی لوگ جانتے اور پہچانتے ہیں آپ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے B.A.B.Ed. کی تعلیم حاصل کی اور ادارہ ادبیات اردو سے اردو عالم و فاضل کامیاب کیا۔ ان کے فلاحی کاموں میں سے ایک مدرسہ کی بنیاد ہے۔ جو 1966 میں نہرو میموریل پرائمری اسکول قائم کیا گیا جس میں ذریعہ تعلیم تلگو و اردو ہے حکومت سے مسلمہ قرار دیا گیا اور بعد میں حکومت کی طرف سے امداد منظور کرائی گئی۔ آج یہ مدرسہ اپر پرائمری تک برقرار ہے۔ 1972 میں لال بہادر میموریل اسکول قائم کیا گیا جو آج اپر پرائمری مسلمہ و امدادی کہلاتا ہے یہاں پر ذریعہ تعلیم تلگو و اردو ہے۔ اس کے کرسپانڈنٹ مسٹر محمد حیدر علی خان ہیں۔ 1982 میں L.B.M.Public School کے نام سے انگلش میڈیم قائم کیا گیا اور اسکو بھی مسلمہ قرار کروایا گیا۔ اس مدرسہ کے بانی بھی مسٹر محمد حیدر علی خان ہی ہیں۔ اب یہ مدرسہ اپر پرائمری ہے ان تینوں مدارس سے ہزاروں طلباء و طالبات تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور سینکڑوں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان مدارس کا معیار اطمینان بخش ہے ان مدارس کے کئی طالب علم روزگار سے لگے ہوئے ہیں۔ ان مدارس میں کئی بے روزگار ٹرینڈ ٹیچرس کو روزگار فراہم ہوا ہے۔ مسٹر سید عارف الدین حسن ریٹائرڈ کلکٹر کے مشورہ پر 1970 میں قیام مرکز اردو امتحانات شمس آباد کی کاروائی شروع کر دی گئی۔ قابل لحاظ تعداد میں امیدواروں کو گھر گھر جاکر اردو کی افادیت کے بارے میں سمجھایا گیا اور شمس آباد کے کئی مدرسین اور معزز اصحاب اردو امتحانات میں شرکت کے لئے راضی ہو گئے ان میں قابل ذکر

مسٹر سید عارف الدین ... ، مسٹر محمد غلام رسول ، مسٹر میر محمود علی ، مسٹر محمد نثار الدین ، مسٹر محمد آعظم خان ، مسٹر محمد عبدالرزاق وغیرہ تھے ۔ جب کہ اس وقت ادارہ ادبیات اردو کے امتحانات کو عثمانیہ یونیورسٹی نے تسلیم نہیں کیا تھا صرف جامعہ اردو علی گڑھ نے تسلیم کیا گیا ۔ مسٹر محمد حیدر علی خاں کی کوششوں کے بعد مسٹر عارف الدین حسن معتمد اردو امتحانات ادارہ ادبیات اردو نے جون 1970 ء میں شمس آباد کا سب سے پہلا مرکز اردو امتحانات قائم کرنے کی اجازت دے دی ۔ شریمتی پی ۔ سبھاشنی .B.Sc.B.Ed نے لال بہادر میموریل اپر پرائمری اسکول شمس آباد سے اردو ماہر میں درجہ اول میں کامیابی حاصل کی ۔ عابد علی خان ایجوکیشنل ٹرسٹ کی جانب سے چلائے جانے والے سنٹرس میں سب سے پہلے شمس آباد میں مسٹر محمد حیدر علی خان نے ہی لال بہادر میموریل اپر پرائمری اسکول شمس آباد میں کلاسس کا آغاز کیا ۔ ہندی پرچار سبھا کے امتحانات کا سنٹر بھی لال بہادر میموریل اپر پرائمری اسکول میں قائم کیا گیا جو ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے سب سے پہلے شمس آباد کے لوگوں میں اردو امتحانات میں شرکت کے لئے راغب کرنا اور ان میں ذوق پیدا کرنے کا سلسلہ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے ۔ جو 1970 سے مسلسل جاری ہے ۔

1982 ء میں جامعہ نور العلوم کے نام سے دینی مدرسہ معین محلہ شمس آباد میں قائم کیا گیا جو جناب سید مرتضیٰ قادری پیش امام جامعہ مسجد شمس آباد کی خدمات سے شروع ہوا ۔ اور بعد میں جناب حافظ خالد علی خاں اور جناب حافظ محمد علی خان اور دوسرے مدرسین نے بھی بحسن وخوبی خدمات انجام دیتے رہے ۔ جناب محمد حیدر علی خان تیس سال سے زیادہ عرصے سے درس وتدریس سے وابستہ ہیں ۔ ممبر کنسلٹیٹو کمیٹی اردو اوپن اسکولس اردو اکیڈیمی آندھراپردیش حیدرآباد ۔ آل انڈیا ملی کونسل شمس آباد کے سکریٹری ۔ آل انڈیا ہندو مسلم راجپوت سبھا حیدآباد کے نائب صدر اور ہند'' مسلم راجپوت گزٹ کے مینجنگ ایڈیٹر کی خدمات بھی ایک عرصہ دراز تک

بحسن خوبی انجام دیتے رہے ۔ جامع مسجد شمس آباد کی انتظامی کمیٹی کے رکن اور اسٹیٹ کیریکٹر یوتھ فورس کی سنٹرل اڈوائزری کمیٹی کے ممبر بھی رہ چکے ہیں ۔ شمس آباد اور اطراف کے 17 مواضعات کے 101 اوقافی جائیدادوں کے تحفظ اور قبرستانوں کی حصار بندی کے لئے اوقاف بورڈ سے موثر نمائندگی کرچکے ہیں یہ طبی، ادبی اور دینی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق رکھتے ہیں ۔ شکار فن تیراکی اور سانپ کے زہر کے عمل سے بھی واقف ہیں ۔ شمس آباد اور اطراف کے مواضعات میں شناختی کارڈ کے سلسلے میں عوام کی رہبری کی گئی جناب محمد حیدر علی خان کے والد کا نام نواب غلام محی الدین خان تھا جو جاگیردار منصبدار اور مقطعہ دار تھے اور آپ کے دادا نواب غلام لیسین خان (جمعدار تنظم جمعیت بے قاعدہ سرکار عالی) تھے ۔

آپ کی برسہابرس کی مسلسل کوششوں اور جستجو کے بعد نواب غلام دستگیر خاں یکتا قائم خانی شاعر کا غیر مطبوعہ کلام چیدہ چیدہ حاصل ہوا ۔ جس کو یکجا کر کے ترتیب دینے میں کافی محنت اور وقت لگا ۔ جو دیوان یکتا شائع کیا گیا ہے صرف اور صرف آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے ۔ یکتا مرحوم کے کلام کو اتنا عرصہ گزرنے کے بعد جمع کرنا، ترتیب دینا اور شائع کروانا یقیناً ایک کٹھن کام ہے ۔ جس کو انہوں نے پورا کیا توقع ہے یکتا مرحوم کے کلام کی طرح دوسرے شعراء کے غیر مطبع کلام کو بھی ترتیب دے کر شائع کرنے مسٹر محمد حیدر علی خان اپنی سعی جاری رکھیں گے ۔

پروفیسر ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ

سابقہ صدر شعبہ اردو

عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

فہرست مضامین دیوان یکتا اردو 1988ء



غزل

حالِ دل کہے کوئی ان سے جا کے کیا اپنا
آہ بے اثر اپنی نالہ نارسا اپنا

اس کو کیا کرے کوئی بخت کی یہ گردش ہے
حالِ دل کہا ان سے سمجھے وہ گلہ اپنا

راہ سے اٹھائیں کیوں بزم میں بٹھائیں کیوں
وہ مجھے سمجھتے ہیں ایک نقشِ پا اپنا

جس لئے ہم آئے تھے کر چکے اسے کامل
کام کیا رہا باقی اب تہہ سما اپنا

خیر سے پہنچ جائے کچھ جواب لے آئے
لے کے نامہ حسرت سے نامہ بر چلا اپنا

قیس سے مثالیں کیوں ہم کو لوگ دیتے ہیں
واقعہ الگ اس کا ماجرا جدا اپنا

میری خاک سے دامن کس طرح بچاتے وہ
رخ اگر بدل دیتی اس طرف ہوا اپنا

دیکھیے رہیں کب تک دونوں بحرِ ہستی میں
تیغ موج سی اس کی سر حباب سا اپنا

آپ کا مریض آخر، چل بسا عدم کو آج
رفتہ رفتہ زہرِ غم کام کر گیا اپنا

دشت میں سنا ہے یہ ، بہہ رہی ہے جوئے خوں
راہ میں نہ پھوٹا ہو ، کوئی آبلہ اپنا

اس سے کیا غرض ہم کو نیک ہو کہ بد کوئی
سب سے صاف رہتے ہیں دل ہے آئنیہ اپنا

فیض ہے تلمذ کا ہادیِ سخن داں کے
مل گیا ہے ناسخ سے جا کے سلسلہ اپنا

اپنے بیڑے کو یکتا خوف کیا ہے طوفاں کا
کہتے ہیں خدا جس کو ہے وہ ناخدا اپنا

غزل

کیا بات ہے دل میرا لگتا نہیں کیوں گھر میں
وحشت تو نہیں دل میں ، سودا تو نہیں سر میں

تا سیرِ چمن کا بھی آجائے مزا ساقی
عکس رخِ رنگیں بھی کچھ ڈال دے ساغر میں

دل حلقۂ گیسو سے نکلا ہے نہ نکلے گا
کیا جانے ابھی کیا کیا لکھا ہے مقدر میں

مٹھی میں ہے اس بت کی یکتا دلِ نازک پھر
ظالم نے چھپایا ہے آئینے کو پتھر میں

غزل

ابر سیاہ یوں طرف گلستاں اٹھا
سمجھے کوئی کہ آتشِ گل سے دھواں اٹھا

گرما گیا ہے حسن کی گرمی سے رخشِ ناز
کوڑا نہ اس پہ کاکل عنبر فشاں اٹھا

شرمِ گنہہ سے گڑ گیا میں خود زمین میں
دفنا یا کس نے مجھکو جنازہ کہاں اٹھا

مشہور ہیں جہاں میں تری نکتہ دانیاں
تعریفِ خال میں قلم اے نکتہ داں اٹھا

منزل کی فکر اب نہیں ، نزدیک ہو کہ دور
مثلِ غبارِ راہ ترا ناتواں اٹھا

باغِ جہاں میں صورتِ نرگس ہی کم سے کم
ہشیار رہ کے لذتِ خواب گراں اٹھا

ٹوٹے جو سر پہ کوہِ الم بھی سہار لے
ہمت اگر ہے دل میں تیرے سختیاں اٹھا

صرصر نے گر زمین پہ گرایا تو کیا ہوا
اے شاخ تو ہی جھک کے مرا آشیاں اٹھا

جب کار زار عشق و وفائیں ہوئی بیکار
دینے کو اپنی جان یہی نیم جاں اٹھا

بینا اگر ہے چشم تو دیکھ اہلِ ذوق کو
درد آشنا ہے دل تو غمِ دوستاں اٹھا

او بحرِ حسن رخ سے الٹ دے نقاب کو
اے ناخدائے کشتی دل بادباں اٹھا

کچھ ہے جو ذوقِ شعر تو یکتا کو آ کے سن
بزمِ سخن میں بیٹھ کے لطفِ زباں اٹھا

غزل

تم نے دل توڑا تو اب کیا رہ گیا
آبلہ تھا ایک پھوٹا بہہ گیا

کیوں نہ ہو تاریک آنکھوں میں جہاں
اٹھ کے پہلو سے وہ رشک مہ گیا

زلف بکھرا دی جو رخ پر یار نے
چودھویں کا چاند گویا گہہ گیا

اشک پہنچے بہہ کے کوئے یار میں
نالۂ دل راستے میں رہ گیا

مردِ میدانِ محبت ہے وہی
جو پڑی افتاد اس کو سہہ گیا

کیا گلہ برقِ جمالِ یار کا
تھا شکستہ خانۂ دل ڈھ گیا

کان تو بجتے نہیں یکتا مرے
کچھ نہ کچھ دل جاتے جاتے کہہ گیا

غزل

وہ تیغِ ناز اگر آزمانے والے ہیں
تو دل بڑھانے کو ہم سر جھکانے والے ہیں

خبر ہے گرم کہ وہ آج آنے والے ہیں
دل و جگر انھیں لینے کو جانے والے ہیں

جو دیکھیں چشم کو اسکی تو ہوش اڑجائیں
وہ ساغروں پہ جو ساغر اڑانے والے ہیں

قفس نصیب ہوں کیا کام اہلِ گلشن سے
کسے خبر کہ کہاں آشیانے والے ہیں

امید ان سے وفا کی ذرا نہ رکھ اے دل
حسیں یہ جتنے ہیں سب اس زمانے والے ہیں

کبھی تو عذر حنا کا ہے دردِ سر کا کبھی
یہ جتنے بت ہیں سبھی تو بہانے والے ہیں

نہ پوچھ حالِ دلِ زار کیا خبر ہمکو
کہ تیری یاد میں سب کچھ بھلانے والے ہیں

ہمارا حال ہو کیونکر نہ قابلِ عبرت
انہیں سے ربط ہے جو دل دُکھانے والے ہیں

زمیں سے اٹھ نہ سکا آسمان سے اٹھ نہ سکا
وہ بارِ عشق فقط ہم اٹھانے والے ہیں

کبھی تو گرم ہے مجھ پر کبھی وہ ہیں ٹھنڈے
یہ آہ و اشک لگانے بجھانے والے ہیں

کہو کلیم سے یکتا کہ آپ بھی آجائیں
وہ آج بام سے جلوہ دکھانے والے ہیں

ہر ایک شعر میں جس کے ہے حالِ دل یکتا
غزل وہ آج انھیں ہم سنانے والے ہیں

غزل

بجائے اشک اگر آنکھ سے لہو نکلے
تو اس کی بزم سے سمجھو کہ سرخرو نکلے

بہار آکے نکل جائے بھی گلستاں سے
مگر قفس سے نہ اے عندلیب تو نکلے

اسی کو کہتے ہیں اک جان اور دو قالب
ادھر تو فصد کھلے اور ادھر لہو نکلے

کہوں میں شمع کے مانند اپنے دل کی لگی
خموشیوں میں وہ اندازِ گفتگو نکلے

میں نامراد رہوں اور نہ تو رہے ناکام
مزا تو جب ہے کہ دونوں کی آرزو نکلے

دیا ہے مژدہ شہادت کا آج قاتل نے
تڑپ کے کیوں نہ گلو سے رگِ گلو نکلے

انہیں سے کیفیتِ چشم پوچھئے یکتا
جو مست محفلِ جاناں سے بے سبو نکلے

غزل

باندھا ہے میں نے مضمون دندان در شکن کا
حیرت سے دیکھتا ہے دریا مجھے عدن کا
کھولا ہے کیا دریچہ صیاد نے چمن کا
موقوف شور ہے کیوں مرغانِ نغمہ زن کا
ہوتا ہے کون ساتھی غربت میں بے وطن کا
دھوکا ہو راہبر پر ، کیونکر نہ راہزن کا
غربت میں ہو میسر آرام کیا وطن کا
ٹوٹا ہے کوہ ہم پر ، رنج و غم و محن کا
دل پھنک رہا ہے میرا یہ حال ہے جلن کا
پروانہ بن گیا ہے اس شمعِ انجمن کا
سچا جو عشق ہوتا ، شیریں سے کوہکن کا
زنہار اس پہ جادو چلتا نہ پیر زن کا
منزل میں بھی عدم کی کھٹکا ہے راہزن کا
نباش چھوڑتا ہے کب تار اک کفن کا
تربت میں کیا کہوں میں احوال اپنے تن کا
کچھ ہڈیاں ہیں باقی نقشہ ہے یہ بدن کا
لکھتا ہوں میں غزل میں مضموں ترے دہن کا
لیکن مزا تو جب ہے چرچا نہ ہو سخن کا

بہتا تھا لکھنؤ میں دریا کبھی سخن کا
اب صرف یہ دکن ہی مرکز ہے علم و فن کا
پوچھو نہ شوقِ دیدار اب اپنے خستہ تن کا
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ڈھلکا ہوا ہے منکا
وہ دل نہیں رہا ہے کیا لطف اب سخن کا
طوطی ہی اڑگیا ہے یکتا مرے چمن کا

غزل

ابھرا ہے عکس چینِ جبیں کا نقاب میں
ہلکی سی موج اٹھی ہے بحرِ حجاب میں

آتی ہے ساقیا ! جگرِ سوختہ کی بو
کیا کوئی دل جلا بھی ہے بزمِ شراب میں

کیا ہوسکے گا اور کوئی جب نہ ہوسکا
خورشیدِ حشر بھی ترے رخ کے جواب میں

دل میں مرے تھی طاقتِ جنبش کہاں مگر
رکھا ہے شوخیوں نے تری اضطراب میں

ساحل تو دور اور یہ طوفان ناخدا
کشتی نہ غرق ہو کہیں خجلت کے آب میں

مانا کہ ماہ مہر سے کرتا ہے کسبِ نور
لیکن کہاں سے آئی یہ ضو آفتاب میں

یکتا تمام رات یہ مومن کی طرح سے
کیوں چونک چونک پڑتے ہو گھبرا کے خواب میں

غزل

خیالِ یار کس دن دل میرا تڑپا نہیں جاتا
ہوائے دید کا جھونکا ادھر کب آ نہیں جاتا

لئے جاتا ہے ساتھ اپنے تمنا وصل کی تیرے
ترا عاشق سوئے ملکِ عدم تنہا نہیں جاتا

جسے خواہش ہو مرنے کی، وہ آئے کوئے جاناں میں
عدم کو کون کہتا ہے، کہ یہ رستا نہیں جاتا

مرے بھی آنکھ ہیں آخر نظر میں بھی تو رکھتا ہوں
رقیبوں کا یہ تجھکو، دیکھنا' دیکھا نہیں جاتا

جھی میں جان ہے آنکھیں کھلی ہیں دم ہے ہونٹوں پر
ترے بیمار کا یہہ حال اب دیکھا نہیں جاتا

وصالِ یار میں بھی تو وہی رونا ہے فرقت کا
وہ آتے ہیں تو ہم سے آپ میں آیا نہیں جاتا

جوابِ خط زبانی ہی سنا جاتا ہے بس قاصد
خدا جانے یہہ جاتا ہے وہاں تک یا نہیں جاتا

وہ آجاتے ہیں اکثر خواب میں بھی بے حجابانہ
مگر ان کے ہمارے آنکھ کا پردا نہیں جاتا

مٹے جاتے ہیں لاکھوں زالِ دنیا کی نمائش پر
مگر ہاں دام میں اس کے کوئی دانا نہیں جاتا

تمہارا نام یہ کانِ ملاحت رکھدیا کس نے
کہ تم سے تو نمک بھی زخم پر چھڑکا نہیں جاتا

نہ سلجھی ہے نہ سلجھے گی کبھی اس زلف کی گتھی
یہہ عقدہ ناخنِ تدبیر سے کھولا نہیں جاتا

نہیں اب یوسفِ دل کا کوئی گاہک زمانے میں
کبھی بازار میں بکنے کو یہ سودا نہیں جاتا

ہماری گرمیِ الفت رہے گی یاد قاتل کو
کہ اب تک خنجرِ فولاد سے چھالا نہیں جاتا

بتوں کی سرد مہری کب مٹائی آہِ سوزاں نے
ہوائیں گرم چلتی ہیں مگر جاڑا نہیں جاتا

کچھ ایسے کھوگئے ہیں وادیِ الفت میں ہم یکتا
کہیں نقشِ قدم تک راہ میں پایا نہیں جاتا

غزل

نہ بدلنی تھی نہ بدلی کسی صورت تقدیر
سچ ہے تقدیر کے آگے نہیں چلتی تدبیر

لاکھ نالے کئے فرقت میں مگر بے تاثیر
بعد مرنے کے مری قبر پہ آیا وہ امیر

یوں رہا ہوگیا زندانِ مصیبت کا اسیر
پھینک دی اپنی سپر توڑ دی جیسے شمشیر

اس کے آنے میں شبِ ہجر ہوئی جب تاخیر
ڈال دی پاؤں میں یکتا کے اجل نے زنجیر

غزل

نام میرا تجھ سے کچھ اے چشمِ گریاں ہو تو ہو
بڑھ کے یہ ہر ایک طفل اب رشکِ طوفاں ہو تو ہو

حضرت عیسیٰ بھی گر آئیں شفا ممکن نہیں
زندگانی دل کے بہلانے کا ساماں ہو تو ہو

اس لئے دل میں جگہ دیتا ہوں اس کافر کو میں
شاید اس کعبہ میں آکر وہ مسلماں ہو تو ہو

چاہ سے نکلے جو یوسفؑ تو زلیخا نے کہا
ماہِ گردوں یہ نہیں ہے ماہ کنعاں ہو تو ہو

دیکھتے ہیں اپنی زلفوں کو وہ آئینے میں روز
اُن کو کیا کوئی پریشاں کوئی حیراں ہو تو ہو

کام دیں گے حشر میں کیا اپنے اعمال سیہ
سرخروی کا سبب ہاں خونِ ارماں ہو تو ہو

کون کہتا ہے کہ ہے طاؤس رقصاں باغ میں
دیکھ کر میرے بدن کے داغ لرزاں ہو تو ہو

ہو چکیں بے کار ثابت ناخدا کی کوشش
اب خدا ہی کشتیِ دل کا نگہباں ہو تو ہو

ہم تو دیوانے ہیں بستی سے ہمیں کیا کام ہے
دشت میں جاکر بسیں گے شہر ویراں ہو تو ہو

کیا نظر آئے گا خونِ آرزو اے عندلیب
رنگ بنکر چہرۂ گل سے نمایاں ہو تو ہو

کیا سناؤں ماجرا ائے دل تجھے اے ہم نشین
دل نہیں سینے میں میرے کوئی پیکاں ہو تو ہو

شمع کہتے ہیں جسے گورِ غریباں پر کہاں
ہاں چراغ داغِ حسرت اک فروزاں ہو تو ہو

کس سے تو کرتا ہے یکتا کس میری کا گلہ
قدر تیری دہر میں کوئی سخن داں ہو تو ہو

غزل

زور سے کام ہمارا نہ تو زر سے نکلا
کچھ جو نکلا تو محبت کے اثر سے نکلا

رہی ہر وقت تری چشمِ کرم غیروں پر
کام میرا نہ عنایت کی نظر سے نکلا

خوں بہایا تھا جو اس بت نے مرا سختی سے
لعل بن کر وہی پتھر کے جگر سے نکلا

حشر میں بھی نہ ہوا خون ہمارا ثابت
ایک خنجر بھی نہ قاتل کی کمر سے نکلا

ایسے روشن ہے بہ یک وقت زمانہ سارا
بڑھ کے جلوہ ترا ، خورشید و قمر سے نکلا

رنگ اب لاتی ہے اس گل کی [illegible] یکتا
آج اک تیر جگر دیدۂ تر سے نکلا

غزل

اٹھیں گے پردۂ غفلت اگر آہستہ آہستہ
نظر آجائے گی شکلِ ظفر آہستہ آہستہ

نزاکت سے وہ آتے ہیں ادھر آہستہ آہستہ
دکھایا جذبِ دل نے اب اثر آہستہ آہستہ

جو روشن دل بھی ہیں اک دن میں وہ کامل نہیں ہوتے
ترقی کرتے ہیں اہلِ ہنر آہستہ آہستہ

جنونِ خام کو پکا کرے گی گرمیٔ الفت
کہ پختہ جیسے ہوتا ہے ثمر آہستہ آہستہ

تنزل سے ترقی کے لئے درکار ہے مدت
بنا ہے قطرہ نیساں گہر آہستہ آہستہ

بجائے خم پیا شیشہ عوض شیشے کے پیمانہ
کیا بنتِ عنب سے یوں حذر آہستہ آہستہ

بدل جائے گا لطف و مہر سے قہر و غضب ان کا
محبت رنگ لاتی ہے مگر آہستہ آہستہ

انھیں تازہ نہالوں سے ہے رونق باغِ عالم کی
یہی پودے تو بنتے ہیں شجر آہستہ آہستہ

نہ آتی موت رستے میں بلا سے پاؤں تھک جاتے
پہنچتے منزلِ مقصود پر آہستہ آہستہ

غزل

تیغ ہمت جب سنبھالی جائے گی
مشکل آسانی سے ٹالی جائے گی

رنج کیا جائے گا دل سے ایک دن
جان بھی تن سے نکالی جائے گی

وصل ہوگا ان کا یا ہوگا وصال
کوئی تو حسرت نکالی جائے گی

آسماں کیا ہے حقیقت اسکی کیا
عرش تک یہ فکرِ عالی جائے گی

قد کو اس کے گر لکھوں سروِ سہی
شاخ اس میں بھی نکالی جائے گی

ان سے ہم چشمی کا دعویٰ دیکھنا
آنکھ نرگس کی نکالی جائے گی

دل ہے کیا شے لینے والا بھی تو ہو
جنسِ جاں تک بیچ ڈالی جائے گی

ہجر کی شب کا گذرنا ہے محال
یہ بلا کالی نہ ٹالی جائے گی

سامنے تیرے جما ہے کسکا رنگ
چہرۂ گل سے بھی لالی جائے گی

الٰہیٰ خیر ہو اس زوالِ دنیا کی نمائش پر
مٹے جاتے ہیں لاکھوں ہی بشر آہستہ آہستہ

برا ہو حرصِ دنیا کا نہ چھوڑا وقت پیری بھی
لئے پھرتی ہے ہم کو در بدر آہستہ آہستہ

اگر یونہی اڑیں گی دھجیاں جیب و گریباں کی
مری وحشت کی پھیلے گی خبر آہستہ آہستہ

ہوے ہم مدتوں میں اپنے مرکز کی طرف مائل
ضعیفی نے جھکائی ہے کمر آہستہ آہستہ

لکھوں کیا خط میں ان کو حال اپنی ناتوانی کا
وہ آئیں تو سناؤں مختصر آہستہ آہستہ

کہاں یہ زورِ وحشت پنجۂ خورشید میں یکتا
کیا ہے چاکِ دامانِ سحر آہستہ آہستہ

فائدہ کیا کہہ کے ان سے مدعا
جانتا ہوں بات خالی جائے گی

چھوڑ اے دل زلفِ پیچاں کا خیال
تجھ سے یہ ناگن نہ پالی جائے گی

کیا جواب اعمالِ بد کا حشر میں
شرم سے گردن جھکالی جائے گی

کیا خبر تھی یہ کہ تصویر گلی
موت کے سانچے میں ڈھالی جائے گی

لوحِ دل پر لکھ رکھو یکتاؔ اسے
ہے غزل اچھی چرالی جائے گی

غزل

کس حسن سے ہے عشق کا آغاز دیکھنا
انجام کو بھی عاشقِ جاں باز دیکھنا

تھی کتنی خوئے ضبط قتیلِ نگاہ میں
نکلی نہ وقتِ ذبح بھی آواز دیکھنا

جھونکے سے چل رہے ہیں نسیمِ شباب کے
کھلنے کو ہے گلِ چمنِ ناز ، دیکھنا

اس بے پری میں خوب ، پرِ تیر کام آئے
پر بھی چھدے تو ہے وہی پرواز دیکھنا

سو سو طرح سے لیتے ہیں یکتا وہ دل مرا
ان کا مری طرف وہ بہ صد ناز دیکھنا

غزل

ہے فکرِ شعر مدحِ رخِ یار کے لیے
گل ڈھونڈھتا ہوں گلشنِ بے خار کے لیے

کیا لیں گے دل وہ جب نہیں نقدِ وفا ہی پاس
کچھ چاہیے گرہ میں خریدار کے لیے

آنکھوں نے رازِ دل تو عیاں کر دیا مگر
بے تاب ہے زبان بھی اظہار کے لیے

بخشش ہماری ہوگی کہ زاہد کی حشر میں
ہے رحمتِ خدا تو گناہ گار کے لئے

یا موت آئے ہجر کی یا وہ آپ آئیں
شافی علاج ہیں یہی بیمار کے لیے

چھوڑی نہ شیخ دیر میں بھی تا حرم کی یاد
درکار تارِ سبحہ ہے زنار کیلئے

صورت [illegible] یہی ہے اقرار وصل کی
اک [illegible] بھی نہ پائیں وہ انکار کے لیے

مرنے [illegible] پہ [illegible] وہ عاشق کی لاش کو
سنگ تو کام آئے گی دیوار کے لیے

چہرے پہ [illegible] آنکھ [illegible] کچھ [illegible] نہیں
پردے ہیں حجابِ دیدِ رخِ یار کے لیے

عصیاں کا بوجھ سر پہ ہے راہِ عدم دراز
مشکل بڑی یہی ہے گراں بار کے لیے

کیا نیند سو گئی شبِ فرقت کسی جگہ
ہم ڈھونڈتے ہیں دیدۂ بیدار کے لیے

جو دیکھتی ہیں یار کو آنکھیں وہ اور ہیں
ہر آنکھ تو بنی نہیں دیدار کے لیے

بیکار فکرِ اہلِ بصیرت ہے صبح و شام
جب دن قرار پا گیا دیدار کے لیے

یکتا نہیں ہے بازیِ طفلاں یہ شاعری
فکرِ بلیغ چاہیے اشعار کے لیے

غزل

قامتِ دلدار پر جب آئے گا دل
خود سزا اپنے کیے کی پائے گا دل

کھیل سمجھا ہے محبت کو بتوں کی
جان پر بن جائیں گی پچھتائے گا دل

خود ہی راہِ راست پر آجائے گا دل
گر ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھائے گا دل

رحم اے اشکِ رواں بہہ جائے گا گھر
لطف اے سوزِ دروں جل جائے گا دل

گر یہی عالم رہا وحشت کا یکتا
گلشنِ جنت میں کبھی گھر آئے گا دل

غزل

زبانِ شعلہ سے کررہی ہے یہ میری شمعِ مزار باتیں
کہ سوز میں سوخموشیاں ہیں خموشیوں میں ہزار باتیں

برنگِ بسمل ہوں کیوں نہ مضطر، اتر گئیں دل میں تیر بنکر
کسی کی وہ تیز تیز نظریں، کسی کی وہ سحر کار باتیں

یہ صحبتیں خوب نجد میں ہیں کہ آہوئے دشت وجد میں ہیں
زبانِ مجنوں سے ہورہی ہیں، نئی نئی آشکار باتیں

ہے دل پہ میرے نگاہ تیری، تو غیر سے پھر خطاب کیا ہے
شکار کیا کرسکے شکاری، کرنے جو وقتِ شکار باتیں

میں تیری جلوت میں تھا تو کیا تھا، اب اپنی خلوت میں ہوں تو کیا ہوں
ہے دل میں ہر دم خیال تیرا، زباں پہ تیری ہی یار باتیں

وہ شعلہ خو فاتحہ کی خاطر، کبھی تو میری لحد پہ آئے
ہے بند میری زبان تو کیا، کرے گی شمعِ مزار باتیں

کھلا نہ یہ آج تک کسی پر، وہ بھید کیا تھا وہ راز کیا تھا
کلیم سے کوہِ طور پر کیں، جو تونے اے پردہ دار باتیں

وہ ہر جگہ ان کا مجھ سے ملنا، وہ غنچۂ آرزو کا کھلنا
کبھی وہ محفل میں کانا پھوسی، کبھی سرِ رہگذار باتیں

کبھی تو زاہد کو بھی دکھادے، کبھی تو واعظ کو بھی سنادے

وہ اپنی تقویٰ شکن ادائیں ، وہ اپنی توبہ نثار باتیں
نہ اب گلوں کی مہلک رہے گی ، نہ بلبلوں کی چہک رہے گی
خزاں کا دور آگیا چمن میں ، کریں گے پھولوں سے خار باتیں
دماغ میں نشۂ جوانی ہے ، کیوں نہ بہکے زبان اس کی
کہ خوب سرمست ہوکے جیسے ، کرے کوئی بادہ خوار باتیں
پس فنا سر بلند مجھکو ، کرے گی یہ میری خاکساری
کہ روز اٹھ اٹھ کر آسماں سے کرے گا میرا غبار باتیں
ہے کون خبر بیکسی کے یکتا ، دکھائیں کس کو سنائیں کسکو
یہ اپنی حسرت بھری نگاہیں ، یہ اپنی دیوانہ وار باتیں

غزل

آتشِ گل کے سوا بلبلِ شیدا نہ جلے
آشیانے پہ گرے برق پہ، تنکا نہ جلے

دل تو جلتا تھا کیا دامن یوسف کو جو چاک
کیا تعجب ہے اگر دستِ زلیخا نہ جلے

ایک ہو جل کے اسے دل کی لگی کہتے ہیں
لطف جلنے کا ہے جب صورتِ پروانہ جلے

شعلے اٹھتے ہیں وہ جب پابہ حنا ہوتا ہے
دستِ مشاطہ کو ہے خوف کفِ پا نہ جلے

آتشِ شوق ہے بھڑکی ہوئی ہر سینے میں
مجھ کو ڈر ہے کہیں اس آگ سے دنیا نہ جلے

دل نشینوں پہ اثر سوزشِ دل کا کیا ہو
جل گیا طور مگر حضرتِ موسیٰ نہ جلے

سرد مہری نے تری ہم کو جلایا تو بہت
یوں جلے عشق میں ہم میرے کہ گویا نہ جلے

میں سیہ بختِ ازل ۔ پھر بھی اندھیرے میں رہا
مجھ کو کیا شمع بھی ۔ تربت پہ جلے یا نہ جلے

شب کو سرگرمِ سخن دیکھ کے یکتا تجھ کو
آتشِ رشک سے دشمن ترے کیا کیا نہ جلے

غزل

آنکھیں رو رو کے کھو گئے ہم
اپنی کشتی ڈبو گئے ہم

کیا باغِ جناں ہے کوچہ یار
آئے نہ پلٹ کے جو گئے ہم

آہیں ہیں سرد ، گرم آنسو
گرمی ، سردی سمو گئے ہم

لیتے گئے ساتھ شوقِ دیدار
تنہا آئے تھے دو گئے ہم

بہتا دریا ہے بحرِ ہستی
اپنے بھی ہاتھ دھو گئے ہم

وہ آئے اگر ہمارے گھر میں
باہر آپے سے ہو گئے ہم

رویا میں نظر پڑا وہ خورشید
قسمت جاگی جو سو گئے ہم

افسوس تری لحد پہ یکتا
بنتے رہے پھول ، رو گئے ہم

غزل

نظر ہی جب نہ آئے کوئی منظور نظر کیوں ہو
رہے جو خانۂ دشمن میں اس کا دل میں گھر کیوں ہو

مری ہمت یہ کہتی ہے کہ احساں لو نہ اوچھوں کا
ترا سایہ بھی میرے سر پہ چرخ فتنہ گر کیوں ہو

پسیجیگا دل صیاد کیا بلبل کے نالوں سے
نہ ہو جب درد ہی دل میں زباں میں پھر اثر کیوں ہو

نہ ہو ثابت اگر اس پر دل عشاق کی چوری
مقید آنکھ کے حلقے میں پھر دزد نظر کیوں ہو

ہے خورشید قیامت سے زیادہ عشق کی گرمی
جسے سب مہر کہتے ہیں مرا داغ جگر کیوں ہو

کسی سے گر نہیں ملتے تو کہہ دیجئے نہیں ملتے
کوئی برباد بے چارہ کسی امید پر کیوں ہو

گذرتی کیا ہے دل پر کچھ خبر بھی ہے تمہیں دل کی
اگر مالک ہو تم دل کے تو دل سے بے خبر کیوں ہو

شب تاریک میں کرتا ہوں قصد منزل جاناں
کہ راہ یار میں سایہ بھی اپنا ہم سفر کیوں ہو

اٹھا جب درد دل میں لب سے آہ آتشیں نکلی
نہ چھیڑے سنگ اگر چقماق کو پیدا شرر کیوں ہو

نہ پائے آبرو کوئی اگر عزلت نشینی سے
صدف میں جا کے یکتا قطرۂ نیساں گہر کیوں ہو

غزل

پھر کوئی اشکبار ہوتا ہے
پھر رواں آبشار ہوتا ہے

پھر کیا وعدہ ایک ظالم نے
پھر ہمیں انتظار ہوتا ہے

پھر مری آرزوئیں مرتی ہیں
پھر مرا دل مزار ہوتا ہے

پھر خیال آرہا ہے مژگاں کا
پھر کلیجہ فگار ہوتا ہے

پھر نہ پڑجائیں جان کے لالے
پھر جگر داغ دار ہوتا ہے

پھر بندھا زلفِ یار کا مضمون
پھر قلم مشک بار ، ہوتا ہے

پھر ٹپکنے لگا ، ہے خامہ سے خوں
پھر ورق لالہ زار ہوتا ہے

پھر ہوا گرم عشق کا بازار
پھر وہی کاروبار ہوتا ہے

پھر ہوا چاک پیرہن یکتا
پھر جنوں آشکار ہوتا ہے

غزل

غضب رفتار ہے ظالم قیامت تیری ٹھوکر ہے
یہاں ہر ہر روش سے صاف اک اندازِ محشر ہے

بلا سے راہ میں ہونے دو گر سدِ سکندر ہے
پہنچ ہی جاؤں گا منزل پہ میں ہمت جو رہبر ہے

اگر چشمِ حقیقت بیں سے نظارہ کرے کوئی
زمین کا ذرہ ذرہ جلوۂ خالق کا مظہر ہے

سناؤں قصہ بربادی کاشانہ دل کیا
کبھی تھا یہ پرستاں، اب تو اک اجڑا ہوا گھر ہے

نہیں آسان ہے کچھ جھیلنا کڑیاں محبت کی
وہی مائل ہو بتوں پر، ہو کلیجہ جس کا پتھر ہے

شرف حاصل ہے جس کو یار کی آئینہ داری کا
حقیقت میں وہی اپنے نصیبے کا سکندر ہے

کیا ہے بند جس نے دم فلک پر برق و باراں کا
وہ مری آہِ سوزاں ہے وہ میرا دیدۂ تر ہے

سفینہ آگیا یکتا جو گردابِ حوادث میں
یہی گردش زمانے کی، یہی قسمت کا چکر ہے

خدا قائم رکھے یکتا مرے استاد ہادی کو
کہ باقی اب یہی تو اک سخن سنج و سخن ور ہے

غزل

سامنے یار رہے دیکھنے کو دل تڑپے
کیا قیامت ہے کہ پیاسا لبِ ساحل تڑپے

پردہ کعبہ میں پنہاں جو نہیں ہے وہ بت
کس لئے قبلہ نما ، پھر صفتِ دل تڑپے

عشق اور حسن میں جو ربط ہے کھل جائے ابھی
ایسے بسمل کے تڑپنے پہ جو قاتل تڑپے

قیدیٔ زلف کو جنبش بھی ہوئی ہے دشوار
کس طرح سے کوئی پابندِ سلاسل تڑپے

سیرِ گلشن میں خراماں جو ہوا وہ گل رو
قمریاں لوٹ گئیں اور عنادل تڑپے

یوں تڑپتا ہے ترا جلوہ مرے سینے میں
جس طرح موجوں میں عکسِ مہِ کامل تڑپے

برق چھپ چھپ کے تڑپتی ہے تو کیا اس سے حصول
ہے تڑپنا تو ذرا میرے مقابل تڑپے

رہ گیا تھام کے قاتل بھی کلیجہ اپنا
سرِ مقتل کچھ اس انداز سے بسمل تڑپے

وہ غزل آج پڑھو بزمِ سخن میں یکتا
جس کے ہر شعر پہ ہر حاضرِ محفل تڑپے

غزل

عکس ساقی کا جو پڑ جائے ذرا شیشے میں
جلوہ اک اور نظر آئے نیا شیشے میں

درِ مے خانہ کھلا بھی نہیں رند آ پہنچے
قوت جاذبہ پیدا ہوئی کیا شیشے میں

پھر خیالِ نگہہِ مست سے سرشار ہے دل
لطف اب جام میں ہے کچھ نہ مزا شیشے میں

ابھی ہر رند کی قسمت کا ستارہ چمکے
دخترِ رز ہو اگر جلوہ نما شیشے میں

دل لگا رہتا ہے ہر شام و سحر ساغر میں
جاں پڑی رہتی ہے ہر صبح و مسا شیشے میں

دختر رز کا ہے کاشانہ دماغِ رنداں
یہ پری بھی کہیں رہتی ہے بھلا شیشے میں

مئے گلرنگ چھلکتی نظر آتی ہے مجھے
آج پھر بندھ گئی رندوں کی ہوا شیشے میں

ہاتھ میں ساغرِ مئے ہو رخِ ساقی پہ نظر
سامنے شیشۂ مئے ، ہوش ربا شیشے میں

آئینہ دیکھ کے پڑھیے فتبارک یکتا
نظر آتی ہے عجب شانِ خدا شیشے میں

فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

غزل

نہ تو صحرا ہی نہ دریا نظر آتا ہے مجھے
ہر طرف دھوکا ہی دھوکا نظر آتا ہے مجھے

کوئی آنکھوں میں سماتا ہی نہیں تیرے سوا
آفتاب ایک ستارا نظر آتا ہے مجھے

کبھی سنتا ہوں جو واعظ سے بیانِ جنت
کوچۂ یار کا نقشہ نظر آتا ہے مجھے

لے چلا ہے یہ جنون کھینچ کی کس وادی میں
آسماں ایک بگولا نظر آتا ہے مجھے

کیا کبھی دیکھ لیا ہے قد رعنا تیرا
سرو کیوں باغ میں سیدھا نظر آتا ہے مجھے

دوست تو دوست ہیں دشمن کو دکھائے نہ خدا
عالمِ یاس میں کیا کیا نظر آتا ہے مجھے

جی میں آتا ہے کہ دوں جامۂ ہستی کو اتار
یہ لباس اب تو پرانا نظر آتا ہے مجھے

کیا کروں تذکرۂ طبعِ روانِ یکتا
ایک دریا ہے کہ بہتا نظر آتا ہے مجھے

غزل

آئینہ دارِ اصلِ حقیقت مجاز ہے
چہرے پہ غزنوی کے نقابِ ایاز ہے

سجدوں پہ شیخ کو، مجھے رحمت پہ ناز ہے
اب دیکھیں کون پیشِ خدا سرفراز ہے

سینے گلوں کے چاک مگر دل شگفتہ ہیں
پردے میں رنج و غم کے یہاں اہتزاز ہے

مانند نقشِ پا ہوں کروں کیا میں سرکشی
کیا جانے عجب وہ جو سراپا نیاز ہے

یوں یک بیک جو مرگیا وہ بات کیا ہوئی
ورنہ تری ادا تو ہر اک جاں نواز ہے

کیا جانے مےَ پرست کو یہ شیخ خود پرست
سمجھے وہی جسے نظرِ امتیاز ہے

دل سے رجوع تو ہوتے ہیں دربارِ حق میں ہم
آزاد سب قیود سے اپنی نماز ہے

یکتا نہ کیوں بلند ہوں شعر اس زمین میں
پیشِ نظر ہمارے نشیب و فراز ہے

غزل

جانے کو ہے وہ رشکِ قمر دیکھ رہا ہوں
میں شام سے آثارِ سحر دیکھ رہا ہوں

ہر روز انھیں غیر کے گھر دیکھ رہا ہوں
یہ جذبِ محبت کا اثر دیکھ رہا ہوں

جلوے ہیں یہ آنکھوں میں میری کون و مکاں کے
یا وسعتِ داماںِ نظر دیکھ رہا ہوں

سمجھا تھا جسے دوست میں نکلا وہی دشمن
کچھ رنگ زمانے کا دگر دیکھ رہا ہوں

کامل ہو اگر عشق تو بڑھتا ہے تصور
آگے وہ نہیں میرے مگر دیکھ رہا ہوں

بستی ہی میں لگتا ہے نہ صحرا میں مرا دل
دنیا سے الگ رہنے کو گھر دیکھ رہا ہوں

سچ کہتے ہیں دم بھر میں گذرتی ہے شبِ وصل
میں شام سے آثارِ سحر دیکھ رہا ہوں

حیران ہوں کس طرح سمایا ترا جلوہ
میں وسعتِ دامانِ نظر دیکھ رہا ہوں

جنبش ہوئی اس ابروئے پیوستہ کو یکتا
کھینچی ہوئی پھر تیغ دوسر دیکھ رہا ہوں

غزل

ہم جاں بھی نثارِ رخِ جانانہ کریں گے
ہو شمعِ تجلی بھی تو پروا نہ کریں گے

ہم رندِ بلا نوش ہیں سمجھا ہے ہمیں کیا
ساقی ابھی خالی تیرا میخانہ کریں گے

باندھیں گے ہم اس زلف مسلسل کا تصور
زنجیر تجھے اے دل دیوانہ کریں گے

اے دخترِ رز حضرتِ واعظ سے خبردار
صوفی ہیں مگر جرأت رندانہ کریں گے

ہاتھوں سے پلائے جو ہمیں وہ بتِ خود کام
ہر گھونٹ پہ ہم سجدہ شکرانہ کریں گے

کٹتی ہے زباںِ شمع کے مانند تو کٹ جائے
ہم ختم محبت کا نہ افسانہ کریں گے

رو رو کے ترے ہجر میں مرجائیں گے ساقی
لب ریز یوں ہی عمر کا پیمانہ کریں گے

بت خانے کو کعبہ کیا ، وہ لوگ کہاں ہیں
اب وہ ہیں کہ کعبے کو بھی بت خانہ کریں گے

یکتا نہ ڈگ مگائے قدم راہِ وفا میں
ہر گام پہ اک کارِ دلیرانہ کریں گے

غزل

حیران کیوں ہیں آج یہ آئینہ وار آپ
کیا اپنے عکسِ رخ سے ہوئے ہیں دوچار آپ

آئینہ دیکھتے ہی ہوئے بے قرار آپ
ہیں آج اپنے تیرِ نظر کا شکار آپ

پردے میں چھپنے سے کہیں چھپتا ہے حسن بھی
مثلِ ضیاءِ مہر ہیں جب آشکار آپ

اس ضد کا ہے نتیجہ یہی جان جائے گی
عجلت پسند ہم ہیں تغافل شعار آپ

جو رشکِ باغ خود ہو اسے کیا چمن سے کام
آئینے میں تو دیکھیے اپنی بہار آپ

ہے منتظر نگاہ لبِ بام آئیے
پردے میں کس کا کررہے ہیں انتظار آپ

واعظ نہ ہم کو چشمِ حقارت سے دیکھیے
ایسا نہ ہو کہ حشر میں ہوں شرم سار آپ

آئے گا ایک بھی نہ نظر مجھ سا باوفا
ڈھونڈیں چراغ لے کے جہاں میں ہزار آپ

یکتاؔ خدا کو حشر میں کیا منہ دکھائیں گے
طاعت گزار ہیں نہ عبادت گزار آپ

غزل

دوست یکتا جب سے اپنا وہ یگانہ ہوگیا
سارا عالم پھر گیا دشمن زمانہ ہوگیا

جب چلا جھونکا ہوا کا، چھا گیا اٹھ کر غبار
بے کسوں کی قبر پر ایک شامیانہ ہوگیا

ہم کو پروائے نشیمن ہے نہ خوفِ برق ہے
چن لئے جب چار تنکے آشیانہ ہوگیا

شامِ فرقت میں اگر آیا خیالِ روئے یار
یہ سیہ خانہ مرا آئینہ خانہ ہوگیا

ان کی بزم عیش و عشرت میں اگر پہنچا بھی میں
لب تک آتے آتے نالہ بھی ترانہ ہوگیا

پھینک کر ظالم نے ناوک کی نگاہ تیز جب
تیر بھی تیر نظر کا خوں نشانہ ہوگیا

سینہ کوبی اس قدر کی میں نے ہجر یار میں
زور بازو کا سمٹ کر۔ درد شانہ ہوگیا

گرچہ تھا ناگفتنی حال سیہ بختی میرا
لکھ کے خونِ دل سے اب رنگیں فسانہ ہوگیا

مدحِ رنداں میں لکھے اشعار یکتا اس قدر
گوہرِ الفاظ کا خالی خزانہ ہوگیا

غزل

خنجر نہیں جو پاس تو چھید و سناں سے دل
ڈرتا نہیں ہے اب تو کسی امتحاں سے دل

اب واعظو سناؤ کوئی اور داستاں
اکتا گیا ہے قصہ حور و جناں سے دل

آرام ہے اسے کسی پہلو نہ ہے قرار
بے تابیوں میں کم نہیں برقِ تپاں سے دل

سر پر مصیبت آپڑی ، ٹوٹا ہے کوہِ غم
افسوس اب بھی چونکا نہ خوابِ گراں سے دل

ہر چند عمر گزری ہے سودائے عشق میں
واقف نہ آج تک ہوا سودوزیاں سے دل

جب قول دے چکے تمہیں لے جاؤ شوق سے
بڑھ کر نہیں ہے کچھ ہمیں اپنی زباں سے دل

سینے پہ کوئی زخم نہ پہلو میں گھاؤ ہے
دامن پہ آگیا یہ تڑپ کر کہاں سے دل

مانا یہ زندگی ہے وہ ہے لطف زندگی
کس طرح پھر عزیز نہ ہو مجھ کو جاں سے دل

یکتا نہ پوچھ گرمیِ الفت کا ماجرا
جل بھن کے خاک ہوگیا سوزِ نہاں سے دل

غزل

سانچے میں ڈھلی موت کے تصویر ہماری
تخریب سے یوں ہوگئی تعمیر ہماری

وہ آئیں لحد پر تو ملے دولتِ کونین
کیا جانیے کب خاک ہو اکسیر ہماری

ٹکڑے ہو فلک آہ اگر ہم کبھی کھینچیں
رکتی ہے سپر سے کہیں شمشیر ہماری

اب آکے وہ کہتے ہیں مری نعش پہ افسوس
عجلت کا سبب ہوگئی تاخیر ہماری

نالے بھی شب ہجر کئے اور دعا بھی
بدلی کسی صورت سے نہ تقدیر ہماری

کچھ سحربیانی کا اثر ہم پہ نہ ہوگا
کہتے ہیں وہ آساں نہیں تسخیر ہماری

بہتر تو یہ ہے صلح کسی شرط سے کرلے
تقدیر سے کیوں لڑتی ہے تدبیر ہماری

کس طرح قلم بند کروں اس کا سراپا
ہے حکم نہ کھینچے کوئی تصویر ہماری

جکڑے ہوئے ہیں سلسلۂ زلفِ بتاں میں
پتھر سے بنائی گئی زنجیر ہماری

صاحب نظر آنکھوں پہ جگہ دیتے ہیں یکتا
سب اہلِ سخن کرتے ہیں توقیر ہماری

غزل

بادہ سے شیشے بھرے شیشوں سے سارا گھر بھرا
پھر بھی اے ساقی نہ مئے سے یہ دلِ مضطر بھرا

اے دلِ وحشت زدہ یہ کیا سمائی ہے تجھے
جانبِ صحرا چلا ہے چھوڑ کر کیوں گھر بھرا

ہوگیا شرمندہ قاتل سخت جانی سے مری
گھل گیا سب جس قدر تھا تیغ میں جوہر بھرا

ساتھ کب بحرِ وفا میں آشناؤں نے دیا
دم بھرا بھی گر کسی نے ، تو فقط دم بھر بھرا

عرصۂ میدان محشر بھی نہیں کافی مجھے
کس قیامت کا جنوں نے پاؤں میں چکر بھرا

دل میں بھی ، سینے میں بھی ہے ، یاس و حسرت کا ہجوم
گھر مرا ہر وقت ہے اندر بھرا باہر بھرا

ذکر اس کانِ ملاحت کا جو چھیڑا غیر نے
پیس کر گویا نمک ہر زخم کے اندر بھرا

عاصیوں کی آنکھ سے اشکِ ندامت گر گرے
دیکھ لینا موتیوں سے دامنِ محشر بھرا

دیکھ کر جامِ تہی آنسو بھر آئے آنکھ میں
ایک خالی ہوگیا تو دوسرا ساغر بھرا

کھول کر یکتا کے دیواں کو ذرا دیکھے کوئی
دیکھتا ہے گر بتوں سے خانۂ آزر بھرا

غزل

محبت میں یہ زر نہ یہ گھر رہے گا
مگر دل تو اپنا تونگر رہے گا

اٹھے گا نہ لاشہ مرا بارِ غم سے
پڑا حشر تک تیرے در پر رہے گا

ٹھکانا نہیں تیرے وحشی کا کوئی
جہاں موت آئے وہیں مر رہے گا

بجھا دے صبا شوق سے شمع تربت
مرا داغ دل تو منور رہے گا

جو ہم ہی نہ ہوں گے تو وحشت کہاں پھر
نہ سودا رہے گا نہ یہ سر رہے گا

نہیں خوفِ گرمیِ خورشیدِ محشر
میرے ہاتھ میں جامِ کوثر رہے گا

کوئی یاد مژگاں بھی جاتی ہے دل سے
اسی آبلے میں یہ نشتر رہے گا

رہے گی جو جاری یوں ہی مشق یکتا
تو شعر ایک سے ایک بہتر رہے گا

غزل

درد دل آپ ہی تو اپنی دوا پیدا کر
ہوش ہے تو نگاہ ہوش ربا پیدا کر
سیر کرنی ہے اگر باغِ جہاں کی تجھ کو
یار کا پہلے تو نقشِ کفِ پا پیدا کر
جس قدر جی میں ترے آئے جفاکر لینا
پہلے دل میں مرے امیدِ وفا پیدا کر
گر زمانے کو دکھانی ہے تجھے اپنی جھلک
جلوہ ہر ذرے میں خورشید نما پیدا کر
جتنے بے ہوش پڑے ہیں انہیں ہوش آجائے
دامنِ دہر کوئی ایسی ہوا پیدا کر
بلبلیں ساری تڑپ جائیں چمن میں سوسن
لبِ خاموش سے اپنے وہ صدا پیدا کر
میں تری باتوں میں آنے کا نہیں ناکامی
بن کر امید نہ دل میں مرے جا پیدا کر
زیست کا لطف اٹھانا ہے اگر دنیا میں
درد دل ، سوزِ جگر ، آہِ رسا پیدا کر
اک زمانے کو جہان گیر بنالے اپنا
پہلے تو نور جہاں کی سی ادا پیدا کر
چھوڑتی جاتی ہے دنیا ، وہ پرانی باتیں
تو بھی یکتا کوئی معشوق نیا پیدا کر

غزل

کہوں میں فکر کو اپنی نہ کیوں بہارِ چمن
ہے اس غزل کا ہر اک شعر یادگارِ چمن

زمیں پہ سبزۂ خوابیدہ کیوں نہ چونک اٹھے
مچائے شور چمن میں جو آبشار چمن

نہ بھائی بحث انھیں جن کے مزاج نازک ہیں
صدائے نالۂ بلبل نہ کیوں ہو بارِ چمن

دہن تو رکھتے ہیں گل پر زباں نہیں رکھتے
الہی کس سے سنے کوئی حال زار چمن

رواں ہوں آنکھ سے آنسو مگر یہ وسعت غم
چمن میں نہر ہو لیکن بہ اعتبارِ چمن

ہزار حیف کہ شنوا نہیں کوئی ان کا
زبانِ حال سے کچھ کہہ رہے ہیں خارِ چمن

برائے سیر وہ رشکِ بہار ہ آتا ہے
عیاں ہے دیدۂ نرگس سے انتظار چمن

ہزاروں پردوں میں گل نے چھپا رکھا تو کیا
صبا نے کھول دیا عقدۂ بہارِ چمن

بغیر جام کے یکتا کہاں ہے لطفِ بہار
ضرور چاہیے اک مے کدہ کنارِ چمن

غزل

کیوں کر ہو وصف ابروئے جاناں رقم ترا
سیدھا ہو ماہِ نو ابھی دیکھے جو خم ترا

کیا کہنا اس مکان کا جس میں کہ رات دن
رہتا ہے ذکر غیرتِ حورارم ترا

شانہ وہ لے کے ہاتھ میں کہتے ہیں زلف سے
بل ایک ایک آج نکالیں گے ہم ترا

اک میں ہی جاں بلب نہیں کچھ تیری چاہ میں
پانی کا بلبلہ بھی تو بھرتا ہے دم ترا

اے بت بلا سبب نہیں کعبہ سیاہ پوش
مدت سے کررہا ہے یہ در پردہ غم ترا

اے غنچے آبرو تھی تری ، تیرے ہاتھ میں
کھلتا نہ تو تو کاہے کو کھلتا بھرم ترا

کہتی ہے تابِ جلوۂ جاناں یہ شمع سے
اس بزم میں ہے ایک وجود و عدم ترا

ٹپکا پسینہ زلفوں سے زلفیں بکھر گیں
برسا برس کے کھل گیا ابرِ کرم ترا

یکتا وہ دن شباب کے وہ لغزشیں تری
اب تک مری نظر میں ہے ہر ہر قدم تیرا

غزل

سنا ہے آج وہ مہندی لگائے بیٹھے ہیں
یہ آرزو کا میری خون بہائے بیٹھے ہیں

نہ دہر سے انہیں مطلب، نہ کچھ حرم سے غرض
جو ہاتھ دونوں جہاں سے اٹھائے بیٹھے ہیں

اٹھیں ہم نہ قیامت کے بھی اٹھانے سے
کہ پاؤں توڑے ہیں آسن جمائے بیٹھے ہیں

الہی چٹکیاں لینے کو میرے سینے میں
یہ کون حضرتِ دل کے سوائے بیٹھے ہیں

نصیب ان کے ہیں جو اپنے خانۂ دل کو
خیالِ یار سے جنت بنائے بیٹھے ہیں

نگاہِ ناز حسیناں نے کر دیا چھلنی
ہزاروں تیر کلیجے پہ کھائے بیٹھے ہیں

ہمارے سینے پہ ابھرا ہوا یہ داغ نہیں
کسی کے عشق کا سکہ بٹھائے بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اب تو ہمیں اے خیالِ یار نہ چھیڑ
الگ سبھوں سے فلک کے ستائے بیٹھے ہیں

وہ رخ ہی جب نہیں کرتے ادھر تو پھر یکتا
پھر ان کی بزم میں کیوں آپ آئے بیٹھے ہے

غزل

دل خیالِ جلوہ بے پیر سے خالی نہیں
اپنا آئینہ کبھی ، تصویر سے خالی نہیں

تیرے کوچے میں اکٹھا ہیں ترے جانباز سب
ہے عجب گلزار بھی ، نخچیر سے خالی نہیں

لوٹانا جب میرا قاتل کو تماشا ہوگیا
پھر تڑپنا خاک پر تو تیر سے خالی نہیں

ہاتھ ہے تقدیر کا بھی اس میں پوشیدہ ضرور
گو کوئی کارِ بشر ، تدبیر سے خالی نہیں

دونوں ، زلفیں یار کی ، اور عارض انور کا عکس
کالی راتیں ہیں مگر ، تنویر سے خالی نہیں

بات کیا ہے شمع کی ، کیوں کاٹی جاتی ہے زباں
کیا خموشی بھی عیاں تقصیر سے خالی نہیں

دفن ہوں کوچے میں گر اس سیم تن کے بعد مرگ
پھر تو اپنی خاک بھی ، اکسیر سے خالی نہیں

ابروئے جاناں کا رہتا ہے تصور ہر گھڑی
ہم سپاہی ہیں کبھی شمشیر سے خالی نہیں

سلسلے میں ممکناتِ دہر کے جکڑے ہیں سب
ہاتھ آزادوں کے بھی زنجیر سے خالی نہیں

کوئے جاناں میں ہے یکتا گھر بنانے کا خیال
خانۂ دل حسرتِ تعمیر سے خالی نہیں

غزل

مجھ کو اپنا نہ سہی غیر پرایا سمجھو
اپنے قدموں سے لگے رہنے دو سایہ سمجھو

حسنِ ظن چاہیے انساں کا یہی جوہر ہے
کوئی کیسا ہی برا ہو اسے اچھا سمجھو

نظرِ شوق سے دیکھو نہ نگاہِ بد سے
حالِ دل کو نہ میرے شکوہ بے جا سمجھو

اس کا آنا نہ مریضِ غمِ ہجراں کے قریب
موت کے آنے کا ہے ایک بہانہ سمجھو

پھول جھڑتے ہیں وہ باتیں جو کبھی کرتا ہے
دہنِ تنگ کو اس شوخ کے غنچہ سمجھو

بھاگنے والوں کے دامن کو پکڑ لیتے ہیں
کیوں نہ تم خارِ بیاباں کو زلیخا سمجھو

زلف جاناں کا ملا ہے نہ ملیگا مضموں
طائرِ فکر کو اس دام میں عنقا سمجھو

دل آزردہ ہے گر وقفِ خیال جاناں
چشم پر شوق بھی ہے محوِ تماشا سمجھو

ہاتھ ہرگز نہ لگاؤ، تمہیں موسیٰ کی قسم
داغِ دل اس کو نہ سمجھو یدِ بیضا سمجھو

فرصت عیش کے اس بزمِ جہاں میں یکتا
گر غمِ دوش نہیں ہے غمِ فردا سمجھو

غزل

ستا نہ ہم کو غریب الدیار ہیں ہم لوگ
اسیرِ زندگی مستعار ہیں ہم لوگ

نظارہ اپنا جو منظور ہو تو ہم کو دیکھ
کہ تیرے حسن کے آئینہ دار ہیں ہم لوگ

تڑپ رہا ہے دلِ زار ضبط کی ہے جو آہ
اس اپنے تیر کے آپی شکار ہیں ہم لوگ

عدم کی راہ کو طے کر رہے ہیں سرعت سے
سوار ابلقِ لیل و نہار ہیں ہم لوگ

نہیں ہے ایک بھی تارہ کٹے گی کیوں کر رات
اسیر پنجۂ شب ہائے تار ہیں ہم لوگ

کسی کی خاطرِ نازک کا تو بھلا کیا ذکر
یہاں تو پشتِ زمیں پر بھی بار ہیں ہم لوگ

لگی ہوئی ہے کسی شمع رو کی لو ہم کو
یہ رنگ شعلہ جو یوں بے قرار ہیں ہم لوگ

ہر ایک زخم بدن کا ہے ہمارا صورتِ گل
خزاں بھی ہو تو سراپا بہار ہیں ہم لوگ

سلا دیا ہے ہمیں گو کہ بختِ خفتہ نے
تری طرف سے مگر ہوشیار ہیں ہم لوگ

ہمارے دم سے چمکتی ہے محفلِ شعرا
زمینِ شعر میں یکتا شرار ہیں ہم لوگ

غزل

درہائے قفس کھول دے صیاد نہ کر بند
اڑتا ہوا دیکھا ہے کہیں طائرِ پر بند

رکھتے ہیں نہاں آنکھ میں ہم اشکِ ندامت
اس ایک صدف میں ہیں ہزاروں ہی گہر بند

دولت کے لئے خاک میں عزت کو ملایا
پھر بھی ہوئی چشم ہوس طالبِ زر بند

پانی نہ سمجھ اس کو یہ ہے آتش تر بند
آواز یہ دیتا ہے ہر اک شیشۂ سر بند

پروا نہیں زاہد ہوں، درِ توبہ اگر بند
ہر گز نہ ہو مے خانے کا دروازہ بند مگر

کس طرح نظر آئے ترا جلوۂ مستور
پتلی کی طرح میری آنکھوں میں نظر بند

کہتے ہیں کہ ہیں ہاتھ ہزاروں ہی خدا کے
کھل جاتے ہیں در سینکڑوں ہو ایک اگر بند

اک پیری و صد عیب بجا کہتے ہیں یکتا
ہر جوڑ میں ہے درد مرے دکھتا ہے ہر بند

غزل

وہ بھی کیا دن تھے کہ میں لذت کشِ میخانہ تھا
بادۂ امید سے چھلکا ہوا پیمانہ تھا

مرغِ دل پھنستا کیوں کر خالی بھی تھا زیرِ زلف
دام کے پردے میں پوشیدہ فریب دانہ تھا

ایک حالت پر نہیں رہتا کبھی دنیا کا حال
آج آبادی جہاں ہے کل وہیں ویرانہ تھا

زندگی تو میری یا رب مے کدے ہی میں کٹی
کیا خبر کعبہ کہاں اور کس طرف بت خانہ تھا

جان دی صحرا میں اپنی کوئے جاناں چھوڑ کر
اس پری کا چاہنے والا بھی کیا دیوانہ تھا

کیا خبر کعبہ کہاں اور کس طرف بت خانہ تھا
دل مرا محوِ طوات خانۂ جانانہ تھا

وائے قسمت نعمتیں کیا کیا میسر تھیں ہمیں
گلشنِ فردوس میں اپنا کبھی کاشانہ تھا

لا سکا لالہ نہ شمعِ جلوۂ جاناں کی تاب
برگِ گل کا سب کو تھا گویا ہر پروانہ تھا

پہنچتے یکتا نہ کیوں کر منزلِ مقصود پہ جلد
جادۂ راہِ وفا میں ہر قدم مردانہ تھا

غزل

وا کر کے جو گرمی میں وہ بندِ قبا بیٹھے
بوئے عرقِ گل سے محفل کو بسا بیٹھے

میں سازِ محبت کو چھیڑوں جو گلستاں میں
منھ سے نہ کبھی پھوٹے۔ بلبل کا گلا بیٹھے

خال رخِ جاناں پر آیا تو ہے دل لیکن
ایسا نہ ہو یہ گندم آدم ہی کو کھا بیٹھے

پھر بحر جہاں میں وہ اٹھے نہ حباب آسا
دم لینے مسافر جو رستے میں زرا بیٹھے

آتا ہے کوئی وحشی صحرا میں خبر کردو
تعظیم کو گر اٹھے دم بھر نہ ہوا بیٹھے

گھر کس کا کہاں مسکن ہم خانہ خرابوں کا
مسجد سے اگر اٹھے ، میخانے میں جا بیٹھے

یہ ضعف ہے طاری اب کیا اشک ہوں جاری اب
کچھ خون جو باقی تھا اس کو بھی بہا بیٹھے

زخمی ہو جگر جس کا آرام کہاں اس کو
ہو دل میں خلش جس کے وہ چین سے کیا بیٹھے

ہند و عربستان کیا سب ملک خدا کے ہیں
کعبے سے جو ہم اٹھے ، بت خانے میں آ بیٹھے

مٹ ہی کے اٹھے یکتا ہم کوچۂ جاناں سے
بیٹھے ہی تھے یوں جیسے نقشِ کفِ پا بیٹھے

غزل

ہوگیا باندھ کے یوں عہدِ وفا یار الگ
دائرہ کھینچ کے ہو جس طرح پرکار الگ

درد اٹھتا ہے مرے سینے میں ہر وقت جدا
ٹیس ہوتی ہے جگر میں میرے ہر بار الگ

صاف یہ سینۂ زنار سے آتی ہے صدا
بد وہ فطرت سے ہیں کافر و دیندار الگ

المدد اے کششِ منزلِ مقصود کہ اب
پاؤں سے ہونے کو ہے طاقتِ رفتار الگ

ناز و انداز و کرشمہ ہی پہ موقوف نہیں
نگہہِ یار ہے دل لینے کو تیار الگ

آتشِ شوق جلانے کے لئے کیا کم تھی
پھونکتی ہے مجھے یہ آہِ شرر بار الگ

دل سے چھٹنے کا نہیں زلفِ مسلسل کا خیال
کس طرح دوشِ برہمن سے ہو زنار الگ

جب بھویں تان کے غصے سے وہ ہنس دیتے ہیں
مل کے تلوار سے ہو جاتی ہے تلوار الگ

شاخیں جھکتی ہیں بلائیں تری لینے کے لئے
اٹھتی ہے دیکھنے کو نرگسِ بیمار الگ

کیوں نہ ہر فکر، ہر انسان کی باتیں ہوں جدا
جب صدا دیتا ہے طنبور کا ہر تار الگ
لخت دل گرتے ہیں اس سمت ادھر لخت جگر
گل کترتا ہے ہر اک دیدۂ خوں بار الگ
قصۂ ہجر سنائیں انھیں یکتا کب تک
جی میں آتا ہے کہ اب کیجئے گفتار الگ

غزل

میری میت پہ جو وہ یوسفِ ثانی ہوجائے
زندگی پھر تو زلیخا کی جوانی ہوجائے
منزلِ قرب اگر دور سے آجائے نظر
توسنِ عمر کی تیز اور روانی ہوجائے
کیا بھلا کھینچیں گے اس آئینہ رو کی تصویر
محو بہزاد تو حیرت زدہ مانی ہوجائے
داستانِ غمِ فرقت جو مری سن پائے
ہو جو پتھر کا کلیجہ بھی تو پانی ہوجائے
بات کیا ہے جو نہیں لایا جوابِ نامہ
نامہ بر کچھ تو بیاں تیری زبانی ہوجائے
ذبح کے وقت میں ایسا تہہِ خنجر تڑپوں
داغ خوں دامنِ قاتل پہ نشانی ہوجائے
قصۂ درد و الم ان کو سنادو یکتا
لطف کیا آئے گا جب بات پرانی ہوجائے

غزل

ہے گرمی الفت سے دل آتش، جگر آتش
اب جاؤں کدھر میں، ادھر آتش، ادھر آتش

ممکن نہیں دیکھے کوئی اس پردہ نشین کو
موسیٰ کو نظر آئی فقط طور پر آتش

پائے نہ اماں جب مرے اشکوں سے زمیں پر
کیوں اپنا بنائے نہ جہنم میں گھر آتش

کیا حال کہوں دل کا، کبھی کچھ ہے کبھی کچھ
دن بھر ہے اگر آب تو، ہے رات بھر آتش

اعمال یہ اور بارشِ رحمت کی تمنا
برسے نہ فلک سے کہیں وہ بے خبر آتش

اظہارِ تمنا پہ ہوا آگ بگولہ
آتا ہے نظر وہ بتِ بیداد گر آتش

پیری میں بھڑکتی ہے، جوانی کی دبی آگ
سلگاتے ہیں ہر گھر میں بہ وقتِ سحر آتش

آتش کدہ ہے جوش، گل ولالہ سے گلشن
ہے جلوہ فروز آج بہ رنگِ دگر آتش

اس ترکِ پری وش کو تو ہے شوقِ سواری
عشاق مگر رہتے ہیں سب نعل در آتش

کب داغوں نے شعلہ کی حرارت نہ دکھائی
کب خانۂ دل میں نہ لگی پرخطر آتش

اشکوں سے زمیں تر ہے تو، آہوں سے فلک خشک
ہے زیرِ قدم آب تو، بالائے سر آتش

سب خانہ ہستی کے جلانے میں ہوئی صرف
تھی سینۂ سوزاں میں بھری جس قدر آتش

کیا گرمیِ رفتار ہے اس مہر کی یکتا
ہر ذرہ نظر آتا ہے سیماب برآتش

غزل

جب تک نہ اپنی آہ کو نشتر کرے کوئی
ممکن نہیں کہ دل میں ترے گھر کرے کوئی

دردِ جگر کو تھاموں کہ روکوں میں اشک کو
دو کام ایک وقت میں کیون کر کرے کوئی

مانند شمع منھ سے کلیجہ نکل پڑے
آہیں مری طرح سے جو شب بھر کرے کوئی

اس بادشاہِ حسن نے چھنوائی مجھ سے خاک
مفلس کسی کو یوں نہ تونگر کرے کوئی

گھر سے مجھے جنوں نے نکالا ہے جس طرح
یوں کھینچ کر کسی کو نہ باہر کرے کوئی

آیا نہ وقتِ نزع میں یکتا وہ سنگ دل
اتنا بھی اپنے دل کو نہ پتھر کرے کوئی

غزل

بپا کر دے نہ فتنہ پھر یہ چرخ پرفتن تازہ
کیا ہے زلف وقد نے قصۂ دار ورسن تازہ

نہ کوئی دوست باقی ہے نہ اب کوئی شناسا ہے
خبر لائے وطن سے کیا کوئی اہلِ وطن تازہ

دلِ وحشی پہ میرے ناوکِ ظلم و ستم چھوڑا
نظر آیا نہ جب صیاد کو کوئی ہرن تازہ

شہیدِ جور قاتل ہوں، یہی پہچان ہے میری
رہ گا حشر تک لاشہ، میرا زیر کفن تازہ

ہزاروں مردے جی اٹھے، تری اک جنبشِ لب سے
مگر چشمہ ہے آب زندگانی کا دہن تازہ

نسیم صبح آتی ہے ترے کوچے سے رہ رہ کر
ہوا کھائیں نہ کیوں ہر صبح مرغان چمن تازہ

خزاں کے دن ہی اچھے ہیں، غنیمت جانیئے ان کو
جہاں فصلِ بہار آئی ہو، دیوانہ پن تازہ

بدل جائے گا نقشہ ان کی صورت کا جواں ہو کر
نیا ابرو میں بل ہوگا، جبیں پر اک شکن تازہ

کھلے پھر پھول باغِ دہر میں، پھر فصلِ گل آئی
ہوا جوشِ جنوں پھر، پھر ہوئے داغِ کہن تازہ

ملے فرصت اگر کچھ بھی، غمِ سوزِ نہانی سے
سنائے داستاں ہر رات شمع انجمن تازہ

ترا ہر شعر یکتا کام کرتا ہے مسیحا کا
دلِ مردہ میں جاں آتی ہے سن سن کر سخن تازہ

غزل

لبِ دریا حباب کی باتیں
ہیں ہوا اور آب کی باتیں

وصل میں بھی کھلی نہ ان کی زباں
ہاں ہوئیں تو حجاب کی باتیں

دل میں کیا ان کے ہے خدا جانے
لب پہ تو ہیں عتاب کی باتیں

شبِ ظلمت میں یاد آتی ہیں
وہ شبِ ماہتاب، کی باتیں

کچھ سمجھ میں ذرا نہیں آتیں
شیخ صاحب جناب کی باتیں

ہجر میں آنکھ سے ٹپکتی ہیں
خون بن کر شراب کی باتیں

چشمِ نرگس بھی بند ہو یکتا
گر سنے مجھ سے خواب کی باتیں

غزل

کیا تاب کسی کی جو ہو گویا مرے آگے
سب طائرِ تصویر ہیں گویا مرے آگے

ہے کون سمایا ہوا ، آنکھوں میں الٰہی
رہتا ہے یہ کس کا قدِ رعنا مرے آگے

اس واسطے نام اپنا وہ ، لکھتے نہیں خط میں
منظور نہیں ہے انھیں آنا مرے آگے

غنچوں سے وہ کہتے ہیں کہ منھ بند ہی رکھیں
جمنے کا نہیں رنگ تمہارا مرے آگے

کیا بات ہے مجھ رندِ بلا نوش میں ایسی
کیوں سر کو جھکا لیتا ہے شیشہ مرے آگے

کرتا ہوں میں جب دامنِ یوسفؑ کا تصور
آجاتی ہے تصویرِ زلیخا مرے آگے

روکے ہوئے ہے راہ مری ، اشک فشانی
جاتا ہوں جدھر آتا ہے دریا مرے آگے

وحشت کو مری قیس نے دیکھا نہیں ورنہ
لیتا نہ کبھی نام جنوں کا مرے آگے

ہر غم سے مبرا ہوں میں ، ہر فکر سے آزاد
فردوس سے کچھ کم نہیں ، صحرا مرے آگے

اس طرح بہایا مرے گریہ نے فلک کو
گویا کہ حبابِ لبِ جو تھا مرے آگے

گردش سے مرے بخت کی چکر میں فلک ہیں
دن کیوں نہ مہ وفور تہ و بالا مرے آگے

میدانِ سخن میں دو دو لے ہو گئے ہیں سب
آتا نہیں اب تو کوئی یکتا مرے آگے

غزل

ہے [illegible] عشق میں کب [illegible] سا دیوانہ کوئی
دے [illegible] کو مری یارب پری خانہ کوئی

کیوں چلا ہے سوئے صحرا اے دل وحشی ٹھہر
دیکھ [illegible] میں نہ پوشیدہ ویرانہ کوئی

میں بھی دیکھوں کس طرح سنتے ہیں وہ حال دل
یوں سناؤں قصۂ غم جیسے افسانہ کوئی

دیکھنا قسمت، دھرے ہیں خم کے خم یاروں کے پاس
سامنے میرے بھی ہوتا کاش پیمانہ کوئی

میں ہوں اور وہ ہوں الٰہی اور کنج عافیت
لطف صحبت تو جبھی ہے ہو نہ بیگانہ کوئی

دیدیا دل اسکو یکتا جو نہیں درد آشنا
سارے عالم میں نہ ہوگا مجھ سا دیوانہ کوئی

:

غزل

عاصی ہیں روزِ حشر کہیں گے پکار کے
ہم مستحق ہیں رحمتِ پروردگار کے

ہاں اے نسیمِ صبح دبے پاؤں آکے دیکھ
چلتے ہیں کس روش سے وہ سینہ ابھار کے

زاہد ترے لباس سے آتی ہے بوئے مے
بیٹھا تھا کیا قریب کسی بادہ خوار کے

ٹکر فلک سے لیتی ہے ، اللہ رے دماغ
دیکھو تو حوصلہ مری مشت غبار کے

دیوانے چشم مست ، کے آتے ہیں سیر کو
ساغر بہ دست لالے رہیں کوہسار کے

وارفتگانِ عشق کی مجبوریاں نہ پوچھ
ہیں اختیار میں دلِ بے اختیار کے

دانے سمجھ کے انجمِ گردوں کو مرغِ دل
آئے نہ دام میں فلکِ کج مدار کے

کیا خوف اس کو گرمیِ خورشیدِ حشر کا
لیٹا ہو جو کہ سائے میں دیوار یار کے

آنکھیں کھلی ہیں اک مہِ خوبی کے شوق میں
تارے چمک رہے ہیں شبِ انتظار کے

میں کیا گیا کہ دشت میں ابرِ کرم گیا
جاگے نصیب آبلہ پائی سے خار کے

یکتاؔ تم اس کے وعدہ پر ہرگز نہ پھولنا
کیا اعتبار قول کا بے اعتبار کے

غزل

جینا انساں کو بار ہوتا ہے
جب غمِ روزگار ہوتا ہے

درد رکتا نہیں جو روکے سے
ہونے دوگر ہزار ہوتا ہے

دیکھ اس چشمِ مست میں میکش
کس بلا کا خمار ہوتا ہے

بال کھولے ہوئے وہ بیٹھے ہیں
کوئی تازہ شکار ہوتا ہے

میری ہر دم کی بے قراری سے
ان کے دل کو قرار ہوتا ہے

کیوں مچایا ہے اے صبا اندھیر
گُل چراغِ مزار ہوتا ہے

نام کیوں لے رہے ہو یکتاؔ کا
جب انھیں ناگوار ہوتا ہے

غزل

فراقِ یار میں جل جل کے جاں نکلتی ہے
کہ روح شمع کی بن کر، دھواں نکلتی ہے

زباں پہ دیکھو تو نامِ خدا ہے واعظ کی
جو دل کو چیرو تو یادِ بتاں نکلتی ہے

ہوا ہے خانۂ دل میں یہ حسرتوں کا ہجوم
جگہ جو تنگ ہے گھبرا کے جاں نکلتی ہے

غمِ فراق میں بہلا نہ دل ستاروں سے
بجائے نغمہ صدائے فغاں نکلتی ہے

بہشت سے نہیں کم خانۂ محبت بھی
ضعیف ہوکے زلیخا جواں نکلتی ہے

مریضِ عشق کے سائے سے، سب کو ہے پرہیز
قضا بھی دور سے دامن کشاں نکلتی ہے

نہیں نکلتا ہے سوفار تیرے ناوک کا
دہانِ زخم سے کھنچ کر زباں نکلتی ہے

نہیں ہے حرفِ شکایت لب آشنا ورنہ
اگر نکالوں تو اک داستاں نکلتی ہے

ہلال شامِ جدائی بھی یوں طلوع ہوا
کہ جیسے میان سے تیغِ رواں نکلتی ہے

بنایا ہم نے جہاں آشیاں، گری بجلی
یہ محنت اپنی یوں ہی رائیگاں نکلتی ہے

ہے یاد ابرو و مژگانِ یار آٹھ پہر
جگر سے تیر نہ دل سے کماں نکلتی ہے

اثر تو دیکھئے گرمیِ عشق کا یکتا
جگر سے آہ بھی آتش فشاں نکلتی ہے

غزل

جب ڈھونڈنے یار کو گئے ہم
پایا اس کو تو کھو گئے ہم

نکلا بس ایک قیس ساتھی
صحرائے جنوں میں جو گئے ہم

تھا خشک ازل سے دامنِ وشت
اشکوں سے مگر بھگو گئے ہم

شکوہ فرقت کا، ان سے کرنے
ہر چند تھا گوںگو گئے ہم

پیری کی بھی دوپہر ڈھلی آہ
بے وقت یہ کیسے، سو گئے ہم

غیروں سے انکو گرم صحبت
دیکھا تو سرد ہو گئے ہم

آخر کو وہی اگے گا یکتا
جو تخمِ عمل کہ بو گئے ہم

غزل

اس نے کچھ اس ادا سے مارا ہے
خواہشِ زیست پھر دوبارا ہے

یار کے ہاتھ سے اگر پہنچے
جام کیا زہر بھی گوارا ہے

کھول دیں شوقِ دید نے آنکھیں
اب رہا دیکھنا تمہارا ہے

کیسا اک پل میں کر لیا اپنا
چشمِ بد دور کیا اشارا ہے

دل ہے گھر آپ کا یہاں رہیئے
غیر کا اس میں کیا اجارہ ہے

تیرے جلوہ کا یار کیا کہنا
یہ تو مضمون آشکارا ہے

یادِ مژگاں کو دل غنیمت جان
ڈوبتے کا یہی سہارا ہے

باندھے مضمون زلفِ جاناں کے
نظم کو ہم نے یوں سنوارا ہے

میں جو روتا ہوں تو وہ ہنستے ہیں
شبنم و گل کا یہ نظارا ہے

ہوشیاری کا جو زمانہ تھا
غفلتوں میں اسے گزارا ہے
اس نے ٹیکہ لگایا ماتھے پر
اوج پر اب مرا ستارا ہے
یار آیا ہے نزع میں یکتا
بات کرنے کا کس کو یارا ہے

غزل

اس طرف اب نظر ساقی گرو بھی نہیں
میری تقدیر میں شاید ، کوئی چلو بھی نہیں

اس کا نظارہ ہو کس طرح سے دنیا میں نصیب
حور چہرہ وہ ستم گر ہے پری رو بھی نہیں

ہر طرف پڑ رہی ہے یار کی دزدیدہ نظر
دل کو کس طرح بچاؤں کوئی پہلو بھی نہیں

آنکھ اس شوخ کی کیا جانے کوئی کیا شئے ہے
چشمِ آہو بھی نہیں ، نرگسِ جادو بھی نہیں

یہی عالم جو رہا آہِ شرر بار تیرا
پھر تو سینہ بھی نہیں ، دل بھی نہیں تو ، بھی نہیں

ہاتھ سینے پہ دھرے کیا وہ مرے ماتم کو
جب کہ بکھرائے ہوئے دوش پہ گیسو بھی نہیں

کتنی ہمت جگر و دل میں ہے یہ کھل جاتا
تیر تیرا میرے سینے میں ترازو بھی نہیں

کون پہنچائے مجھے جلوہ گہہ جاناں تک
دل بھی سینے میں نہیں ، جوش پہ آنسو بھی نہیں

کیا تعجب ہے اگر توڑ کے سینہ نکلے
ضعف ایسا ہے کہ دل پر میرا قابو بھی نہیں

دل کو کیسا یہ گلہ ، فرقتِ دل دار کا تھا
فاصلہ دونوں میں دیکھا ، تو سرِ مو بھی نہیں

اب تو بیمار سے کروٹ بھی نہیں لی جاتی
وہ بھی پہلو میں نہیں ، طاقتِ بازو بھی نہیں

حسن ظاہر جو نہیں ، خوبیِ باطن کیسی
اڑ گیا پھول کا جب رنگ تو پھر بو بھی نہیں

کوہ و صحرا کا بھلا ذکر ہی کیا ہے یکتا
اب وہ نظارۂ جاں بخشِ لبِ جو بھی نہیں

غزل

صبح ہونے کو ہے اب تک کوئی آیا نہ گیا
کچھ اثر جذب محبت میں تو پایا نہ گیا

دلِ صد چاک تو سو بار دکھایا ان کو
درد جو دل میں اٹھا تھا وہ دکھایا نہ گیا

تشنہ لب جاتے ہیں مے خوار ترے اے ساقی
عید کے روز بھی مے خانہ لٹایا نہ گیا

دل نے تو رازِ محبت کو رکھا پوشیدہ
پر ان آنکھوں کا برا ہو کہ چھپایا نہ گیا

گو فلک نے نہ رکھا میرا نشاں تک باقی
نام روشن ہوا ایسا کہ مٹایا نہ گیا

اس طرف کبر اگر تھا تو ادھر خودداری
ان سے آیا نہ گیا ، ہم سے بلایا نہ گیا

رنگِ عارض تو چرایا ترا پھولوں نے مگر
رنگ اس پر بھی گلستاں میں جمایا نہ گیا

کوشش بلبلِ نالاں نے بہت کیں لیکن
رنگ آہِ دلِ عاشق کا اڑا نہ گیا

جلوہ برقِ تجلی تھا حجابِ رخ دوست
یدِبیضا سے بھی پردہ یہ اٹھایا نہ گیا

ناطقہ بند ہے مدحِ قدِ موزوں میں ترے
مصرعۂ طرح پہ مصرعہ بھی لگایا نہ گیا

لاکھ فتنے ہوئے بیدار تیری ٹھوکر سے
اک مرا طالعِ خفتہ ہی جگایا نہ گیا

ہو گئی برقِ تجلی تو چمک کر خاموش
شعلۂ عشق جو بھڑکا تو بجھایا نہ گیا

اس پری وش کو گئے ہو گئی مدت یکتا
لیکن اب تک درودیوار سے سایا نہ گیا

غزل

کیا لطف آئے ہجر میں ابرِ بہار کا
ٹکڑا ہے ایک دامن شب ہائے تار کا

کیا پوچھنا ہے حلقۂ گیسوئے یار کا
نامہ کھلا ہے آہوئے دشتِ تتار کا

عصیاں کے بار سے ہوں کچھ ایسا دبا ہوا
اٹھا نہ گردباد بھی میرے غبار کا

پردے پہ پردہ آنکھوں میں ہونے کا ہے سبب
پیشِ نظر خیال ہے کس پردہ دار کا

جب تک جواں تھے نشۂ غفلت چڑھا رہا
پیری کا وقت ہے یہ زمانہ اتار کا

کیوں خم کے خم دھرے ہیں یہ ساقی کے آس پاس
کیا ظرف دیکھنا ہے کسی بادہ خوار کا

گل توڑنے سے باز رکھا باغبان کو
احساں یہ عندلیب پہ ہے نوکِ خار کا

کیوں آیا جاتا کرتا ہے رندوں میں محتسب
کچھ مے کدے میں کام نہیں ہوشیار کا

ڈرتا ہوں ہم دمو کہ زمانہ الٹ نہ جائے
پوچھو نہ حال جنبشِ مژگانِ یار کا

کیوں گل رخانِ دہر کو مجھ سے ہے یہ خلش
کانٹا ہوں میں بھی کیا چمنِ روزگار کا

چنگاریاں سی جھڑتی ہیں منہ سے دمِ فغاں
اللہ رے اثر نفسِ شعلہ بار کا

میں کیا کہ کوہکن سے بھی یکتا نہ کٹ سکا
کیسا پہاڑ ہوتا ہے دن انتظار کا

غزل

یارب مجھے وہ گوہرِ نایاب عطا کر
رکھا ہے جسے قلزمِ وحدت میں چھپاکر

جانا نہ نمائش پہ کبھی زالِ جہاں کی
خاروں کو دکھاتی ہے یہ گل دستہ بناکر

اچھا بھی ہوا ہے کوئی بیمارِ محبت
کہہ دیجیئے مسیحا سے کہ جا اپنی دوا کر

اس شوخ نے کیا سحر بیانی سے لیا کام
دل میرا اڑالے گیا باتوں میں لگاکر

راحت کا طلب گار ہے تو ترکِ دعا کر
کیا پاؤں کو پھیلائے گا تو ہاتھ اٹھاکر

کرشکر کہ چمکی تھی یہاں حسن کی بجلی
بربادیِ کاشانۂ دل کا نہ گلا کر

دعوائے محبت تو بڑی بات ہے یکتا
پہلے دلِ شوریدہ کو پابند وفا کر

غزل

دیکھیں کب ان کی دید ہوتی ہے
کون ساعت سعید ہوتی ہے

ہوسِ زر میں چھانتے ہیں جو خاک
ان کی مٹی پلید ہوتی ہے

خواب میں اس کو دیکھ لیتا ہوں
پھر بھی درپردہ دید ہوتی ہے

رمضاں ہو کہ ہو مہ شعبان
جب ہو دید ان کی عید ہوتی ہے

کس طرح سے وہ زندگی کاٹے
قطع جس کی امید ہوتی ہے

نہ تو کہتے ہو تم نہ سنتے ہو
یوں ہی گفت و شنید ہوتی ہے

وصف اس سیمبر کا لکھتا ہوں
یہ زمیں زر خرید ہوتی ہے

تیغ ابر کے وار سے ہشیار
ضرب اسکی شدید ہوتی ہے

نہ دعا سے مریض عشق بچے
نہ دوا ہی مفید ہوتی ہے

رحمتِ حق قریب ہے شاید
کلفتِ دل بعید ہوتی ہے
خوں ٹپکتا ہے آنکھ سے یکتا
کوئی حسرت شہید ہوتی ہے

غزل

کسے جلوے کی تاب ہوتی ہے
کب نظر باریاب ہوتی ہے
مژہ ٔ یار کی ہر اک جنبش
باعث انقلاب ہوتی ہے
مانعِ دید رعبِ حسن ہے خود
بے حجابی حجاب ہوتی ہے
لطف آتا ہے شعر خوانی کا
دور میں جب شراب ہوتی ہے
جوشِ وحشت میں خاک اڑاتا ہوں
مفت مٹی خراب ہوتی ہے
رخِ جاناں پہ ہر نظر میری
نگہہ انتخاب ہوتی ہے
زیست رحمت ہے وصل میں یکتا
ہجر ہو تو عذاب ہوتی ہے

غزل

میں مست ہوں تصورِ چشمِ نگار سے
سودا نہیں ہے سر جو پھراؤں خمار سے

کیا خوف مجھ کو پرسشِ روزِ حساب سے
باہر مرے گناہ ہیں حد شمار سے

پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے
حاصل ہوا یہ گردشِ لیل و نہار سے

پایا نہ کچھ بھی داغِ غمِ عشق کے سوا
یہ پھل ملا مجھے چمنِ روزگار سے

چھپتی ہیں دوڑ دوڑ کے پردے میں ابر کے
ڈر ڈر کے بجلیاں نفسِ شعلہ بار سے

ہر موئے تن زبان ہے شوقِ کلام میں
اک عندلیب کیا ہے میں بڑھ کر ہزار سے

اے شیخ کر نہ تذکرۂ جنت و جحیم
خاکی ہیں ہم کو کام نہیں نور و نار سے

کرتا ہے سنگ سار فلک اہلِ فیض کو
آتی ہے یہ صدا شجرِ باردار سے

پہنچی عدم میں روح جنازہ ہے دوش پر
پیدل جو تھا وہ بڑھ گیا آگے سوار سے

ہے طول داستاں مری کوتاہ روز حشر
لینا پڑے گا کام مجھے اختصار سے

محشر سمجھ کے چونک پڑے خفتگانِ خاک
نکلی تھی ایک آہ دلِ بے قرار سے

یکتا ہے یاد آیت لا تقنطو مجھے
مایوس کیوں ہوں رحمتِ پروردگار سے

غزل

وہ آنا یار کا فرط خوشی سے اپنا مرجانا
ایسی کو کہتے ہیں جیتی ہوئی بازی کا ہرجانا

یہ کیا سیکھے ہو تم آتے ہی اے رشک قمر جانا
سحر ہونے دو جلدی کیا ہے بجنے دو گجر جانا

نسیمِ صبح سے مجھ کو نہ لڑوائے کہیں ظالم
دمِ نظارہ گیسو کا ترے رخ پہ بکھر جانا

نہ تھی کچھ طول ایسی داستانِ بلبلِ شیدا
زبانِ خار کو پھولوں نے لیکن بے اثر جانا

یہہ سیکھا عند لیبان چمن نے طائر دل سے
ہوائے شوق میں اڑتے ہوئے بے بال و پرجاناب

ادائے خاص ہے ساقی فقط یہ تیرے مستوں کی
جو منہ میں آئے کہہ دنیا، وہ جی میں آئے کر جانا

اسی میں آبرو پنہاں تھی میری اس لئے میں نے
مژہ تک آکے جو آنسو تھمے ان کو گہر جانا

نظر آیا نہ مجھ کو جب کہیں تو بزم عالم میں
تو اپنے خانۂ دل ہی میں تجھ کو جلوہ گر جانا

چراغِ شام رخصت ہوگیا کیوں اس کے آتے ہی
مگر زلفوں کو کاکل یا کہ عارض کو سحر جانا

جو چاہے آبرو مانند گوہر تہہ نشیں ہوجا
تنک ظرفوں کا شیوہ ہے حباب سا ابھر جانا

یہ واعظ اور شیخ خانقہ ہیں مطلبی یکتا
نہ اس کی بات میں آنا نہ اس کی بات پر جانا

غزل

نوکِ مژگاں تیری جو نشتر ہے
خمِ ابرو بھی رشکِ خنجر ہے

آہ سوزاں سے اور اشکوں سے
آسماں خشک ہے زمیں تر ہے

ہائے رسوائی وائے ناکامی
ان کو وہ خوف مجھ کو یہ ڈر ہے

سر میں اپنے جنون ہے دوری
پاؤں میں بھی تو ایک چکر ہے

دل تو میرا ہے آنکھ پر اس کی
اس کی بھی آنکھ میرے دل پر ہے

زلف و رخ کا تمہارے کیا کہنا
شامِ غم وہ یہ صبحِ محشر ہے

اب بھی یکتا جنونِ عشق کو چھوڑ
ورنہ پتھر ہیں اور ترا سر ہے

غزل

میں کہاں اور وہ خوش جمال کہاں
لے چلا ہے مجھے خیال کہاں

اس کے کوچے میں جا نہیں ملتی
دفن ہو اب یہ پائمال کہاں

رفتہ رفتہ ہوئے وہ لب شیریں
یوں ٹپکتی تھی [illegible] رال کہاں

تیرے ابرو کو کیا کہوں مہِ عید
حسن تو ہے مگر کمال کہاں

ذکر جب تک نہ ان لبوں کا ہو
لطفِ شیرینیٔ مقال کہاں

[illegible] بلبل [illegible] مجھ [illegible] کہتا
اک صدا [illegible] ہے بلال چلال کہاں

غزل

جب رواں اپنی طبیعت ہو گئی
رک گیا دریا بھی حیرت ہو گئی

فصلِ گل کہتے ہیں کس کو کیا خبر
مل کے اس گل رو سے مدت ہو گئی

ذکر کیا قامت کا تیرے چھڑ گیا
بزم میں برپا قیامت ہو گئی

منزلِ مقصود تھی کیا بس دو قدم
راہبر جب میری ہمت ہو گئی

جب کیا ذکرِ لبِ شیریں یار
شعر میں پیدا حلاوت ہو گئی

پٹ گیا ہر سو ڈھنڈورا عشق کا
خامشی سے اب یہ نوبت ہو گئی

گھر مرے وہ آتے آتے پھر گئے
وائے کیا برگشتہ قسمت ہو گئی

سن کے حال موسیٰ عمراں و طور
وا مری چشمِ بصیرت ہو گئی

ہو بھی تو کس کام کا مالِ دنی
دفن سب قاروں کی دولت ہو گئی

یہ بھی ہے اک تیرہ بختی کا اثر
شام سے گل شمعِ تربت ہو گئی
خیر یکتا اب نہیں لمان کی
ایک کافر سے محبت ہو گئی

غزل

دل کے ہوتے ہوئے آئینہ مقابل رکھا
رہ گیا دعویٰ یکتائیِ قاتل رکھا

وادیِ عشق میں ٹھہرا نہ کوئی میرے سوا
قیس نے پاؤں بھی رکھا تو بہ مشکل رکھا

باتوں باتوں میں اڑالے گیا وہ دل میرا
عالمِ ہوش میں کیا وہ مجھے غافل رکھا

دل کو تسکین ہے تجھ سے تو جگر کو ٹھنڈک
ہم نے نام اس لئے تیرا مہِ کامل رکھا

قصۂ درد و الم ان کو سناؤں کیوں کر
ضعف نے بات بھی کرنے کے نہ قابل رکھا

مرگئے پر بھی نہ ہم قید مصیبت سے چھٹے
عمر بھر زلف نے پابند سلاسل رکھا

آکے در تک بھی ترے تشنۂ دیدار رہا
شور بختی ہی نے پیاسا لب ساحل رکھا

اور مغرور نہ ہوجائے کہیں وہ خود بیں
یار نے آئنیہ پھر اپنے مقابل رکھا

ہے مرے پیش نظر لیلیٰ مضمون کا جمال
اس لئے قافیہ اس شعر میں محمل رکھا

شکر ہے ہوگیا ارمانِ شہادت پورا
جان کیا لی مرے قاتل نے مرا دل رکھا
گر پڑے اٹھتے ہی ہم اشک کی صورت یکتا
اک قدم بھی نہ سرِ جادۂ منزل رکھا

غزل

شیشۂ دل جو ہو شکست اس میں تری ظفر بھی ہے
مستِ مئے خیالِ یار ، اپنی تجھے خبر بھی ہے

سوزشِ دل کی داستان طول بھی مختصر بھی ہے
بھڑکے تو ایک شعلہ ہے چمکے تو یہ شرر بھی ،

حسنِ ازل کی وہ کشش ان میں کہاں سے آئے گی
کہنے کو یوں تو دہر میں شمس بھی ہے قمر بھی ہے

جتنے ہیں زر پرست ہیں کوئی نہیں خدا پرست
بندۂ حق کہیں جسے ایسا کوئی بشر بھی ہے

دل ہی فقط ہدف نہیں تیرِ نگاہِ ناز کا
تیغِ ادائے یار سے زخمی مرا جگر بھی ہے

ہوتی نہیں بسر کبھی زندگی ایک حال پر
وصل ہوتو بہشت ہے ہجر ہوتو سحز بھی ہے

تابِ نظارہ جب نہ ہو فائدہ ذوقِ دید سے
مانا یہ میں نے دل بھی ہے آنکھ بھی ہے نظر بھی ہے

عشق میں جب کشش نہیں آہ و فغاں سے کیا حصول
نالہ تو لب پہ ہے مگر آہ میں کچھ اثر بھی ہے

اہلِ کمال بھی ہے گل ، صاحب مال بھی ہے گل
وقعتِ گل نہ کیوں بڑھے ، حسن کے ساتھ زر بھی ہے

وقفِ خیال یار ہے خانۂ دل مرا فغاں
ٹھہرے تو یہ مکاں بھی ہے گزرے تو رہ گزر بھی ہے
یکتاؔ امید و بیم میں کٹتی ہے زندگی مری
یعنی خوشی بھی وصل کی ہجر بتاں کا ڈر بھی ہے

غزل

بدل رہی ہے ہوا آج کل زمانے کی
خبر رکھو میرے خرمن کے دانے دانے کی

ازل سے سویا ہوا ہے ہمارا بختِ سیاہ
کوئی امید نہ کوشش کرے جگانے کی

کروں اگر نہ میں سجدہ تو کون کعبہ کہے
مری جبیں سے ہے عزت اس آستانے کی

کبھی تو آئے گا وہ مستِ خوابِ ناز ادھر
کبھی تو جاگے گی قسمت غریب خانے کی

یہاں بھی آگئے نفسِ لعیں کے دھوکے میں
سرشت ہی ہے ہماری فریب کھانے کی

ہوائے تند کے چلتے ہیں باغ میں جھونکے
الٰہی خیر ہو بلبل کے آشیانے کی

بلا سے خرمنِ دل پر کسی کے برق گرے
ہمیشہ آپ کو عادت ہے مسکرانے کی

سنا ہے میں نے کہ ہوتا ہے وصل بعد وصال
خوشی ہے عید سے بڑھکر قضا کے آنے کی

میں گوشہ گیر ہوں مانند آسیا تو کیا
مری نگاہ میں ہیں گردشیں زمانے کی

کروں میں فکرِ سخن میں نہ کیوں جگر کاوی
تلاش ہے مجھے مضمون کے خزانے کی
اٹھاؤں کیوں نہ قلم فکرِ شعر میں یکتا
سمندِ طبع کو حاجت ہے تازیانے کی

غزل

جلوۂ یار ہی میں شام و سحر ہونا تھا
شمس ہونا تھا نہ دنیا میں قمر ہونا تھا

ان حسینوں سے جفاؤں کا میں بدلہ لیتا
ہاتھ میں دل مرے قابو میں جگر ہونا تھا

دیکھتے طور پہ اک اور ہی منظر ہوتا
کبھی موسیٰ کے عوض میرا گذر ہونا تھا

ناوکِ ناز کا بننا تھا نشانہ اے دل
ہدفِ تیرِ ملامت نہ مگر ہونا تھا

نارِ نمرود میں کس طرح سے گرتے نہ خلیلؑ
کہ ہر اک شعلے کو رشکِ گلِ تر ہونا تھا

داستاں سوز محبت کی کہاں ختم ہوئی
ابھی خاموش نہ اے شمعِ سحر ہونا تھا

کچھ تو رکھنا تھا مری دل شکنی کا بھی خیال
پار سینے کے نہ اے تیرِ نظر ہونا تھا

سر مرا کٹ کے چڑھا دار پہ عبرت کے لئے
کیا یہی نخلِ محبت میں ثمر ہونا تھا

طاقتِ دید نہ تھی دیدۂ موسیٰ میں اگر
جلوہ افروز بہ اندازِ دگر ہونا تھا

کیوں نہ رہتا تری مژگاں کا خیال آٹھ پہر
زندگی کو مری کانٹوں پہ بسر ہونا تھا
داد ملتی تھی مجھے اپنے سخن کی یکتا
آج غالب سا کوئی اہل ہنر ہونا تھا

غزل

سمجھ نہ آہ کو مری فقط دھواں صیاد
اسی دھویں میں ہزاروں ہیں بجلیاں صیاد

نہ پھونک گھر کو کسی کے خدا سے ڈر ظالم
جلے گا دل بھی جلے گا جو آشیاں صیاد

قفس میں بند ہی رہنے دے کیا ہے گلشن میں
نہ ہم نفس رہے باقی نہ ہم زباں صیاد

شکستہ پر ہی نہیں ہوں، میں دل جلا بھی ہوں
نہ جائے گی مری فریاد رائیگاں صیاد

اسیر تو نے کیا بھی۔ تو میں رہا آزاد
قفس میں جسم ہے مرا چمن میں جاں صیاد

جہاں رہا میں رہا ظلم ہی کا ہو کے شکار
قفس میں تو ہے چمن میں تھا باغباں صیاد

قفس سے چھٹ کے بھی راحت ملی نہ یکتا کو
زمین بدل گئی بدلا نہ آسماں صیاد

غزل

زنہار اپنے پاؤں نہ کرنا یہاں دراز
ناداں ہے اس قدر تری چادر کہاں دراز

کیا فائدہ ہے تونے گر اس دہرِ تنگ میں
پائی مثالِ خضر جو عمرِ رواں دراز

وجہِ سکوت پوچھی تو ، کہنے لگی یہ شمع
شب مختصر ہے اور میری داستاں دراز

بے تاب کل سے برق ہے گرنے کے واسطے
صیاد ہاتھ کر نہ سوئے آشیاں دراز

پھیلائے پاؤں ضعف نے ایسے فراق میں
بستر پہ ہوسکا نہ تیرا ناتواں دراز

کعبہ سے ہاتھ کھینچ لیں یہ تو قبول ہے
تری طرف نہ پاؤں ہوں پیرِ مغاں دراز

میں نے کہا کہ ہجر کا ہے کیا بیاں دراز
کہنے لگے کہ چپ ہو کہیں اور زباں دراز

جتنے کہ پھول تونے دیے ہم کو باغ سے
اتنی ہی عمر ہو تری اے باغباں دراز

طول مل کی شاخ سے نلتا ہے پھل کسے
ہوتی ہیں کھینچنے سے کہیں ڈالیاں دراز

زنجیر کا ہر ایک کو دھوکہ ہے پاؤں میں
دامن کی اس طرح ہوئیں کچھ دھجیاں دراز

بھرنے لگا جو کاسۂ مہتاب نور سے
دستِ سوال کرنے لگی کہکشاں دراز

مل جاتی صبحِ حشر سے یکتا ضرور آج
ہوتی جو تھوڑی اور شبِ امتحاں دراز

غزل

نظر کرتا نہیں ہم پر وہی صاحبِ نظر ہوکر
خبر رکھتے ہیں جس کی آپ سے ہم بے خبر ہوکر

جنھیں آنکھیں خدا نے دی ہیں دیکھیں روز و شب اس کو
دکھاتا ہے وہ جلوہ دن کو خود شب کو قمر ہوکر

مریضِ غم کو فرقت کی شبیں ہیں نزع کی گھڑیاں
نظر آتی ہے کچھ امید کی صورت سحر ہوکر

کہیں گاڑو ، جلادو یا بہادو ، لاش دریا میں
اٹھیں گے اس کے کوچے سے غبارِ رہ گذر ہوکر

گڑے جو کوچۂ جاناں میں سر افروز ہوتے ہیں
نکل آتا ہے جیسے خاک سے دانہ شجر ہوکر

مہِ کامل کے داغوں کو زمانہ حسن سمجھا ہے
نظر آتا ہے سب کو عیب اونچوں کا ہنر ہوکر

کیا جو نزع میں نالہ قیامت ہوگئی برپا
ہوا یہہ طول کیسا قصۂ غم مختصر ہوکر

نہ پاتا آبرو میں گر نہ رہتا کُنجِ عزلت میں
صدف سے قطرہ نسیا یہ کہتا ہے گہر ہوکر

رواں تھی کشتی دل مدتوں سے بحرِ الفت میں
ڈبویا حلقۂ زلفِ چلیپا نے بھنور ہوکر

ادھر تانے جو نیزے دشت میں خارِ بیاباں نے
ادھر تلووں سے اٹھے آبلے سینہ سپر ہوکر
جو اعلیٰ ہیں نہ چھوڑیں گے کبھی وہ خاک ساری کو
کہ زلفیں ٹوٹتی ہیں پاؤں پر بالائے سر ہوکر
ہمارا خانۂ دل وقف ہے اس کے لئے یکتا
جو بیٹھے نقش بن کر اور اٹھے دردِ جگر ہوکر

غزل

بے حس اچھے کہ اثر رنج کا ان پر نہ ہوا
دیدۂ روزنِ دیوار کبھی تر نہ ہوا

ہم نے اپنی سی تو کیں ، اس سے وفائیں کیا کیا
وہ جفا دوست ہمارا نہ ہوا ، پر نہ ہوا

بعد مرنے کے بھی ٹھوکر سے مٹائی تربت
مجھ سا مظلوم کوئی ، تجھ سا ستم گر نہ ہوا

ساتھ صورت کے یہ لازم ہے کہ ہو سیرت بھی
رشکِ یوسفؑ بھی کوئی ہوتو پیمبر نہ ہوا

روکتا کون شبِ ہجر مرے نالوں کو
حائلِ راہ یہ جب گنبدِ بے در نہ ہوا

راہ میں روک کے واعظ کو ذرا پوچھ تو لوں
آج کیوں تذکرۂ مے سرِ ممبر نہ ہوا

تادمِ مرگ ترستے رہے صورت کو تری
مرگئے پر بھی تو دیدار میسر نہ ہوا

اس کے اس ظلم و ستم پر نہ کبھی اف کرتا
مضغۂ گوشت ہوا دل مرا پتھر نہ ہوا

فتح شرمندہ ہو جس سے وہ یہی تو ہے شکست
معرکہ عشق کا گر سرنہ دیا سر نہ ہوا

دل نہ دینا تھا اسے وعدۂ فردا پہ کبھی
ہم سے یہ کام تو کچھ سوچ سمجھ کر نہ ہوا

کونسی آنکھ تری دید سے روشن نہ ہوئی
کونسا دل ترے جلوے سے منور نہ ہوا

شررِ آہ بھی میرا ہے سیاہ بخت غضب
اڑ کے چمکا بھی شبِ غم میں تو اختر نہ ہوا

کیوں نہ اس قطرے پہ یکتا مجھے رونا آئے
مدتوں رہ کے صدف میں بھی جو گوہر نہ ہوا

غزل

نہ سمجھا ہم کو اے ناصح تجھے کیا ہم سمجھتے ہیں
جو سمجھاتے ہیں اوروں کو بہت خود کم سمجھتے ہیں

خبر لیتا ہے اپنی کون آدھی رات کو اٹھ کر
تجھی کو دردِ دل ہم مونس و ہمدم سمجھتے ہیں

جھکائیں گے نہ گردن آج سے محرابِ کعبہ میں
اشارہ ہم ترا اے ابروئے پرخم سمجھتے ہیں

تیرا سرشار رہنا سرخوشی کا میری باعث ہے
تجھے ہم جامِ مئے اے دیدۂ پرنم سمجھتے ہیں

مجھے دینے لگے کیوں ہار اپنی بزمِ عشرت میں
حسینانِ جہاں مجھ کو سراپا غم سمجھتے ہیں

کمر باندھی ہے تم نے آج کس کے قتل کرنے کو
بہت پوشیدہ ہے یہ راز لیکن ہم سمجھتے ہیں

حقیقت میں اسی سے تو ہوئی دنیا کی آبادی
فریبِ دانۂ گندم کو کیا آدم سمجھتے ہیں

تمہارے ایک جلوے سے اجالا ہے زمانے میں
چراغ طور اس کے آگے ہم مدھم سمجھتے ہیں

ہمیں کیا کام دنیا سے کہیں شادی ہو یا ماتم
ہم اپنے کنجِ تنہائی کو اک عالم سمجھتے ہیں

مری آہوں کو سن کر مسکرا دیتے ہیں گل چہرہ
ٹپکتے ہیں جو آنسو قطرۂ شبنم سمجھتے ہیں

عجب کچھ نوک کے کشتے ہیں یا رب کشتگان چشم
صفِ مژگانِ قاتل کو صفِ ماتم سمجھتے ہیں

یہ دعوئ بجلیوں کو ہے کہ ہم ہیں حاتمِ دوراں
ازل کے پیر اپنے آپ کو رستم سمجھتے ہیں

ہمارا درد ہی یکتا ہمارے حق میں درماں ہے
لہو جمتا ہے زخموں پر تو ہم مرہم سمجھتے ہیں

غزل

سن کے نالے دلِ اصنام دہل جاتے ہیں
گرمیِ آہ سے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں

توڑ کر چرخ کو نالے جو نکل جاتے ہیں
رنگ وحشت سے فرشتوں کے بدل جاتے ہیں

او شہِ حسن خدا تجھ کو سلامت رکھے
سینکڑوں ہیں کہ ترے صدقے میں پل جاتے ہیں

اک ہمیں ہیں کہ چلے جاتے ہیں افتاں خیزاں
اچھے اچھوں کے یہاں پاؤں پھسل جاتے ہیں

دلِ بے تاب کو تسکین ہو نہ کیوں رونے سے
اشک بن بن کے سب ارمان نکل جاتے ہیں

نام اب کوہکن و قیس کا ہوگا معدوم
ترے وحشی طرفِ دشت و جبل جاتے ہیں

نہ پدر ہوتا ہے ہم راہ عدم میں نہ پسر
ساتھ انساں کے فقط اس کے عمل جاتے ہیں

وقتِ پیری بھی کسی کا نہ سہارا ڈھونڈھو
وہ اگر چاہے تو گرتے بھی سنبھل جاتے ہیں

سب مسافر ہیں یہ دنیا ہے سرائے فانی
آج جو آئے ہیں اس گھر میں وہ کل جاتے ہیں

کونسی ہے وہ بلندی کہ نہ پستی دیکھی
سرِ مژگاں پہ جب اشک آتے ہیں ڈھل جاتے ہیں
کج ادائی کی شکایت یہ عبث ہے یکتا
ان کے ابرو کے کہیں باتوں سے بل جاتے ہیں

غزل

آسماں تک جب ہمارے نالۂ دل جائیں گے
آسماں کیا عرش کے بھی کنگرے ہل جائیں گے

رنگ لائیں گی تری یہ شوخیاں رفتار کی
نقشِ پا سے سینکڑوں گل راہ میں کھل جائیں گے

بے طلب دیتا ہے جو ایسا بھی ہے کوئی کریم
کیا ترے در سے بھی خالی ہاتھ سائل جائیں گے

دیکھنا میدانِ محشر ، قتل گہہ بن جائیگا
جب تڑپتے لوٹتے بسمل پہ بسمل جائیں گے

کر دیا اشکوں نے میرے وسعتِ عالم کو تنگ
چھوڑ کر دریا کہاں دامانِ ساحل جائیں گے

کیا بتائیں تم سے ہم ، آغاز و انجامِ حیات
خاک سے پیدا ہوئے ہیں خاک میں مل جائیں گے

دہر سے تا گور یکتا گور سے سوئے عدم
ہیں تھکے ماندے بہت منزل بہ منزل جائیں گے

غزل

کھنچ گئے ابرو وہ دونوں تیغیں عریاں ہو گئیں
پڑ گئیں شکنیں جبیں پر تیز چھریاں ہو گئیں

کوچۂ جاناں میں بھی اب دل نہیں لگتا میرا
بڑھتے بڑھتے وحشتیں کیا حشر ساماں ہو گئیں

گھر سے جب نکلا ترا وحشی گریباں پھاڑ کے
بستیاں جتنی بھی تھیں دنیا میں ویراں ہو گئیں

چشمِ بلبل سے گرے تھے صحن گلشن میں کچھ اشک
خوں کی وہ بوندیں ہیں جو گلہائے خنداں ہو گئیں

شہر میں وہ شور ہے اب اور نہ لڑکوں کا ہجوم
مر گیا وحشی ترا سنسان گلیاں ہو گئیں

نوح بھی ہوتے تو ہوتے غرق سیلاب سرشک
کشتیاں کتنی ہی ایسی نذرِ طوفاں ہو گئیں

نقش جب دیکھے ترے پائے حنا مالیدہ کے
سینکڑوں نظریں زمین پر خوں میں غلطاں ہو گئیں

اگ رہی آخر کو نرگس، خاکِ تربت سے مری
حسرتیں دیدار کی چھپ کر نمایاں ہو گئیں

جب خیالِ سبز آیا، اس سراپا باغ کو
بن گیا قد سرو زلفیں سنبلستان ہو گئیں

ان بتانِ سنگ دل کو دیکھ کر کہنا پڑا
مورتیں تھیں چند پتھر کی کہ انساں ہو گئیں

جب کیا بربادیِ خرمن کا افسانہ رقم
بجلیاں خامہ سے نکلیں اور عنواں ہو گئیں

ضبطِ غم نے اور بھی یکتا بنادی جان پر
رک گئیں سینے میں جو آہیں وہ پیکاں ہو گئیں

غزل

ہنسیں آپ سن کر نہ یوں میری آہیں
مزا عشق کا جب ہے دونوں کراہیں

ہر اک شے سے جب تیرا جلوہ عیاں ہے
تو ناکام رہتی ہیں کیوں یہ نگاہیں

دیا ہم کو شیخ و برہمن نے دھوکا
ہیں دیر و حرم ہی تری جلوہ گاہیں

زمیں آسماں کو نہ کردیں کہیں ایک
یہی میرے آنسو یہی میری آہیں

نظر اہلِ افلاک کی اٹھ رہی ہے
بلند اور کیا ہوں گی اب اس سے آہیں

محبت ہی مرکز ہے دیر و حرم کا
یہیں آکے ملتی ہیں دونوں کی راہیں

ہوا جب رکے گی تو برسے گا پانی
رواں ہوں گے آنسو تھمیں گی جو آہیں

کرو قتل لیکن محبت کے ساتھ
ہو سینے میں خنجر تو گردن میں باہیں

بشر ہیں بشر ہی سے رکھتے ہیں الفت
فرشتے نہیں ہم جو حوروں کو چاہیں

غزل

اثر پذیر ہوں کیا تیری سختیاں صیاد
تو سنگ دل ہے تو میں بھی ہوں سخت جاں صیاد

قفس میں بند ہوں جی ہے رندھا ہوا میرا
چمن میں چل تو کھلے پھر مری زباں صیاد

کوئی ولی تو نہیں تو جو سمجھے منطقِ طیر
سناؤں کیا تجھے گلشن کی داستاں صیاد

کرم خدا کا اگر ہو شریکِ حال تو پھر
قفس ہے میرے لئے باغ وبوستاں صیاد

خزاں کے دن ہیں قفس ہی میں رہنے دے مجھ کو
نہ باغ ہی رہا باقی نہ آشیاں صیاد

حرام مجھ پہ قفس میں یہ آب ودانہ ہے
اسیر ہوں میں نہیں تیرا مہماں صیاد

چمن میں اب تو ہے یکتا مرا گزر مشکل
عدوئے جاں ہیں مرے دونوں باغباں صیاد

بھروسا ہے تیرا ہی اے رحمتِ حق
تجھی پر ہیں ہم عاصیوں کی نگاہیں
غزل ایسی لکھیے کہ سب خوش ہوں یکتا
کریں دوست تعریف دشمن سراہیں

غزل

ان کے تیرِ ناز نے جب تک جگہ پائی نہ تھی
زخم تھے دل میں مگر زخموں میں گہرائی نہ تھی

چھاگئی ایسی خموشی ذکر پر اس بت کے کل
بت بنی بیٹھی تھی محفل تاب گویائی نہ تھی

میں رہا جب تک کہ زندہ تجھ پر مرتا ہی رہا
زیست کے پردے میں کب میری قضا آئی نہ تھی

کہہ دیا تھا صاف پہلے ہی یہ ہے ٹوٹا ہوا
سب حقیقت میرے دل کی آپ پر آئینہ نہ تھی

جس طرح مجھ کو جلایا سرد مہری نے تیری
آگ پانی نے کبھی اس طرح بھڑکائی نہ تھی

حسن کے تو نے نہ کس کس کو شکنجے میں کسا
اک قیامت تھی قیامت تیری انگڑائی نہ تھی

ناتوانی نے مری ثابت رکھا دامانِ دشت
پنجۂ وحشت تھا لیکن اس میں گہرائی نہ تھی

عشق اس بت کا ہوا حق میں ہمارے سنگِ راہ
یوں سمندِ عمر نے ٹھوکر کبھی کھائی نہ تھی

خاک مجنوں نے اڑائی میں نے اس کا رنگِ رخ
باد یہ پیمائی تھی کچھ باد پیمائی نہ تھی

شکل یوسف کے سوا آتا نہ تھا کچھ بھی نظر
حسن تھا یعقوب کی آنکھوں میں بینائی نہ تھی

رنگِ محفل ہی بدل ڈالا ترے اشعار نے
سحر تھا جادو تھا یکتا تیری گویائی نہ تھی

غزل

جل نہ جائے کہیں خرمن یہ جگر پاروں کا
سامنا کھیل نہیں برق نے رخساروں کا

صبح محشر کی الہیٰ نہ کہیں شب ہوجائے
طول ہے نامۂ اعمال سیاہ کاروں کا

ظلم ہنس ہنس کے کیا کرتے ہیں یہ ظلم پسند
دیدنی کیوں نہ ہو ، ہر کام جفاکاروں کا

کہتے ہیں ابروئے خم دار جنھیں ظاہر میں
میں ہوں گھائل انہیں چلتی ہوئی تلواروں کا

کام کرجاتے ہیں غازی کے برے تیور ہی
رخ پلٹ جاتا ہے چلتی ہوئی تلواروں کا

ناخدا کشتیِ امت کا ہے محبوب خدا
پار کس طرح نہ بیڑا ہو گنہہ گاروں کا

وشت پیمائی نے میری کیا رسوا مجھ کو
پاؤں کے چھالوں پہ دھوکا ہوا نقاروں کا

کھینچ کر عشق کہاں لے گیا تھا یوسف کو
کچھ زلیخا نے سنا حال بھی بازاروں کا

یا فقط تو ہی کھنچا رہتا ہے اے مایۂ ناز
سایہ بھی کھنچتا ہے مجھ سے تری دیواروں کا

دیکھ کر نہ زلیخا نے لیا یوسف کو
یہ کلیجہ ہے فقط تیرے خریداروں کا
کیا مداوا ہو میرے درد کا ان سے یکتا
حال تک بھی وہ نہیں پوچھتے بیماروں کا

غزل

پھرتی ہے صبا باغ میں اترائی ہوئی سی
ہے کوچۂ جاناں کی ہوا کھائی ہوئی سی

کیا تاب ہوا کی جو ہلائے اسے آکر
زنجیر در یار ہے کھڑکائی ہوئی سی

ناگن کی طرح لوٹتی ہے سینے پہ مرے
وہ زلفِ سیہ دوش پہ لہرائی ہوئی سی

اٹھ اٹھ کے بگولے یہ کہے دیکھتے ہیں قیس
ہے نجد کے جنگل میں کوئی آئی ہوئی سی

حملہ نہ کیا ہو کہیں اس دزدِ نظر نے
یا رب صف مژگاں ہے کچھ الٹائی ہوئی سی

اک دل ہی نہیں سینے میں بے تاب
کچھ روح بھی ہے جسم میں تڑپائی ہوئی سی

کیوں بادیہ پیمائی سے ہوں زخم نہ تازہ
ہے آج ہوا دشت کی پروائی ہوئی سی

یکتا نہ کہیں دفن ہو اس قبر کے اندر
اک قبر سرِ راہ ہے ٹھکرائی ہوئی سی

غزل

میں تڑپ رہا ہوں قفس میں اور ہے چمن کا رنگ نکھار پر
گریں آشیانے پہ بجلیاں پڑے اوس فصلِ بہار پر

مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے کبھی میں بھی پھرتا تھا باغ باغ
تری رحمتوں کا ہجوم تھا کبھی. میرے اجڑے دیار پر

مرا دل جو پہلے لبوں پہ تھا وہ اب اس کے سیب ذقن پہ ہے
کوئی قطرہ تھا کہ جو آگیا ہے ڈھلک کے برگ سے بار پر

تری زلف و ابرو کی دست برد سے دل بچا نہ جگر بچا
تہہِ تیغ اس کو جو کردیا تو چڑھادیا اسے دار پر

ہیں چمن میں دونوں تو کیا ہوا ہیں نصیب سب کے جدا جدا
ترا ہاتھ گل کی طرف بڑھا مرا پاؤں پڑگیا خار پر

ہے مئے وفا سے بھرا ہوا رہے کیوں نہ شیشۂ دل میرا
کبھی دست زلفِ دراز میں کبھی طاقِ ابروئے یار پر

یہ ہر ایک قطرۂ آب کیوں نہ ہو جوابِ دانہ سبحہ ہو
کہ درود پڑھتے ہیں برگِ گل میں شمیمِ زلف نگار پر

یہ عجیب حشر بپا ہوا کہ اٹھا نہ حشر کے دن بھی میں
میں پڑا ہوا ہوں مزار میں وہ کھڑے ہوئے ہیں مزار پر

کہوں کیا فغانی خستہ جاں ہے فلک سے رنگ سحر عیاں
ہو سرور و عیش کا کیا بیاں کہ ہے اب تو نشہ اتار پر

(اس بحر میں یکتا نہیں بیٹھتا اس لئے فغانی تخلص کیا ہے)

غزل

میں ساز محبت کو چھیڑوں جو گلستاں میں
غنچوں کے جگر شق ہوں بلبل کا گلا بیٹھے

آتا ہے کوئی وحشی صحرا میں خبر کر دو
تعظیم کو گرد اٹھے سجدے کو ہوا بیٹھے

پھر بحرِ جہاں میں وہ اٹھے نہ حباب آسا
دم لینے کو رستے میں تیرے جو ذرا بیٹھے

بے پردہ نہ آتا تھا عاشق کے تصور میں
بیمار کو ناحق کے آئینہ دکھا بیٹھے

خال رخ جانا نہ مٹ جائے نہ دل اپنا
ایسا نہ ہو یہ گندم آدم ہی کو کھا بیٹھے

کیا کام بھلا گھر سے اس رندان فروکش کو
مسجد سے اگر اٹھے مے خانے میں جا بیٹھے

زخمی ہو جگر جس کا آرام کہاں اس کو
دل میں ہو خلش جس کے وہ چین سے کیا بیٹھے

جب بزمِ تصور میں بے پردہ وہ آ بیٹھے
جنت کے تصور کو واعظ ہی سنا بیٹھے

ہر گام پہ فتنوں نے لبیک کہا اس کو
وہ بزم میں کیا آئے اک ہر اٹھا بیٹھے

بیٹھے ہیں دھنی دے کر یوں اس کی گلی میں ہم
تکیے میں کوئی یکتا جس طرح گدا بیٹھے

غزل

جو اس کے در پہ آگیا دربان ہوگیا
خود رعبِ حسن اس کا نگہبان ہوگیا

مٹی میں تیرے حکم نے کیا روح پھونک دی
پتلا جو خاک کا تھا وہ انسان ہوگیا

پلکیں اٹھیں کہ سینے میں بھالے سے گڑ گئے
آنکھیں لڑیں کہ قتل کا سامان ہوگیا

ہر ذرہ آرہا ہے نظر آج بے قرار
کوچے میں تیرے کون پریشان ہوگیا

اچھا ہوا تم آگئے بالیں پہ وقتِ نزع
مشکل جو کام تھا مجھے آسان ہوگیا

جوشِ جنوں کا لطف ہے فصلِ بہار میں
غنچۂ کھلا کہ چاک گریباں ہوگیا

آتی ہے دل سے کیوں یہ صدا آہ آہ کی
کیا قتل آج پھر کوئی ارمان ہوگیا

ہم ان کی معرفت سے خدا تک پہنچ گئے
پختہ بتوں کے عشق میں ایمان ہوگیا

یکتا جو اس نے پاؤں رکھا میری خاک پر
ہر ذرۂ حقیر فلک شان ہوگیا

یکتا کو بت میں کیا نظر آئی خدا کی شان
سنتے ہیں آج وہ بھی مسلمان ہوگیا

غزل

دکھلا کے پارہ زہر پلایا ہزار حیف
ایسا فریبِ نرگس شہلائے یار حیف

ہم سا تو اس جہان میں ہوگا نہ تیرہ بخت
تارے گنے گئے ہیں شب انتظار حیف

آیا جو بعدِ مرگ لحد پر تو فائدہ
لی جیتے جی خبر نہ تغافل شعار حیف

بہتا ہے جوئے شیر کے ہمراہ خون بھی
او کائینات عشق کے پروردگار حیف

کیسا یہ رنگِ گلشن عالم بدل گیا
دامانِ گل پہ خون تھا دل کا ہزار حیف

ناحق نشانہ ناوکِ صیاد کا بنا
میں فکر آشیاں میں یہ شاخسار حیف

تیرے بغیر خاک گلستان میں اڑ گئی
غازہ بنا ہے عارضِ گل پر غبار حیف

یکتا ہیں بعد مرگ بھی بے تابیاں وہی
دم بھی نکل گیا تو نہ آیا قرار حیف

غزل

یہ اڑتے اڑتے ہی تیر کا نشانہ بنا
یہ جانتا ہوں بگڑنے ہی کو زمانہ بنا

خضر نے پہلے سکندر کی رہنمائی کی
کسی غریب کا جب تک وہ رہنما نہ بنا

کسی کی نعش کو کپڑا نہیں کفن کے لئے
کسی کے واسطے زر کا تو شامیانہ بنا

ہوئے تباہ غریبوں کے جھونپڑے لاکھوں
تو اک امیر کے رہنے کو آشیانہ بنا

ہے بندگی میں یہ عالم غرور و نخوت کا
ہزار شکر کہ بندہ کوئی خدا نہ ہوا

لہو ہزاروں تیموں کا جب نچوڑ لیا
تو جمع لعل و زمرد ہوئے خزانہ بنا

غرض نہیں ہے کسی سے جہاں میں یکتا کو
بنا میں دوست کسی کا تو مخلصانہ بنا

غزل

بیٹھا ہے کوئی زلف پریشاں کئے ہوئے
دل بستگیِ خلق کا ساماں کئے ہوئے

بہلا رہا ہوں حسرت و ارماں کو رات دن
گہوارۂ امید اور کئے ہوئے

بیٹھا ہوا ہوں آئینہ خانے میں دہر کے
ہر پیکرِ خیال کو عریاں کئے ہوئے

دیکھا تو وا ہے دیدۂ نرگس بھی باغ میں
کس کس کو ترا جلوہ ہے حیراں کئے ہوئے

بے پردہ شب کو کون یہ نکلا کہ آسماں
ہے گل چراغِ مہر درخشاں کئے ہوئے

بڑھتا چلا ہے جانبِ افلاک سیلِ اشک
ہر جا زمیں پہ موج کا طوفاں کئے ہوئے

پھر غوطہ زن ہے بحرِ تفکر میں دل مرا
یکتا خیالِ گوہرِ دنداں کئے ہوئے

غزل

بام پر آئے شوخ جب رخ سے نقاب اٹھائے تو
کیا کرے ماہتاب پھر ابر میں چھپ نہ جائے تو

پوچھے اگر وہ فتنہ کام حشر بتا ہے کس کا نام
کہہ دوں میں صاف خوش خرام کچھ نہیں چل کے آئے تو

دل کی لگی ذرا بجھے ٹھنڈک ہو روح کو نصیب
لیکن وہ آئے قبر پر آنسو کبھی بہائے تو

آنکھ کو اپنی پھوڑ دوں تابِ نظارہ گر نہ لائے
پاؤں کو اپنے توڑ دوں لغزش اگر وہ کھائے تو

سنتے ہیں وہ ہے رشک مہر جلوہ ہے اس کا ایک قہر
دیکھ سکیں نہ ہم مگر سامنے بھی وہ آئے تو

مانا کہ ہم ہیں پارسا لیکن ہے یار مئے تو کیا
پی لیں گے اپنے ہاتھ سے زہر بھی وہ پلائے تو

شعر و سخن سے گو ہمیں باقی نہیں لگاؤ اب
پھر بھی سنیں گے شوق سے یکتا غزل سنائے تو

غزل

خط میرا اور دشمن بیداد گر کے ہاتھ
بیبات کیوں نہ جھڑ گئے پیغامبر کے ہاتھ

حیراں ہوں کس طرح سے وہ خنجر اٹھائے گا
باندھے ہوئے ہوں سامنے اس ستم گر کے ہاتھ

زاہد بھی ہو اگر کوئی پینے میں عذر کیا
جب تو بڑھائے اس کی طرف جام بھر کے ہاتھ

کرنا تھا ضبطِ غم ہمیں جتنا بھی کر چکے
اب آبرو ہماری ہے سب چشمِ تر کے ہاتھ

گر مل گیا کسی کو وہ رشکِ بہارِ خلد
دنیا میں حور آ گئی گویا بشر کے ہاتھ

شبنم یہ کس کے واسطے روتی ہے باغ میں
کس کے لئے دعا کو اٹھے ہیں شجر کے ہاتھ

پھرتی ہے اڑتی خاک مری کوئے یار میں
پہنچا پیامِ مرگ نسیمِ سحر کے ہاتھ

بھرتا ہوں روز آہ میں سینے پہ دھر کے ہاتھ
پھر لگ گیا ہے دل کسی جادو نظر کے ہاتھ

کیا سرخ رو ہوے ہیں ترے خوں میں بھر کے ہاتھ
مانندِ غنچہ بند ہیں سب اہلِ زر کے ہاتھ

دولت خدا نے دی ہے جنہیں دل نہیں دیا
مانندِ غنچہ بند ہیں سب اہلِ زر کے ہاتھ
کیا گل کھلیں گا دیکھئے یکتا فراق میں
جینے کے لالے پڑگئے داغِ جگر کے ہاتھ

غزل

ہویدا جب خورشید تیرے روئے روشن کا
بھڑک کر رہ گیا شعلہ چراغِ دشتِ ایمن کا
ذرا زلفوں کو بکھراکر رخِ پر نور پر اپنے
شبِ تاریک میں عالم دکھا دو روزِ روشن کا
عدم کا راستہ سیدھا بھی ہے اور بے خطر بھی ہے
نہ حاجت اس میں رہبر کی نہ کھٹکا اس میں رہزن کا
ہوائے عشق میں دل کی تڑپ سے یاد آتا ہے
وہ بادِ صبح کا چلنا ، مچلنا تیرے سوسن کا
جسے سب کہکشاں اور ماہ کہتے ہیں زمانے میں
وہ دھجی ہے گریباں کی یہ ٹکڑا میرے دامن کا
مٹے جاتے ہیں زخمِ دل ہزاروں ایک جنبش میں
تری ہر نوکِ مژگاں کررہی ہے کام سوزن کا
ہوائے دہر کے جھونکوں نے کیا برباد کرڈالا
زبانِ برق تک پہنچا نہ دانہ میرے خرمن کا
اترتا کیوں نہیں سر چڑھکے آخر ماجرا کیا ہے
جنونِ عشق بھی کیا طوق ہے قمری کی گردن کا
ہوائے باغ کا ہم شور ہی سنتے رہے یکتا
قفس تک بھی نہ آیا ، اڑ کے اک تنکا نشیمن کا

غزل

زلف گر تا کمر نہیں ہوتی
شام ہوتی سحر نہیں ہوتی

وصل میں تجھ کو دیکھ سکتے تھے
ہجر پر جو نظر نہیں ہوتی

ہم سے ہوتی ہے ناز برداری
لیکن اب اس قدر نہیں ہوتی

وہی ہوتا ہے باخبر تجھ سے
جس کو اپنی خبر نہیں ہوتی

چار دن کی تو زندگانی ہے
چین سے کیوں بسر نہیں ہوتی

اس قدر خشک ہوگیا ہے لہو
چشم تک میری تر نہیں ہوتی

آج کل اہل زر کی عزت ہے
قدرِ اہلِ ہنر نہیں ہوتی

کچھ سچائی نہ جس میں شامل ہو
بات وہ کارگر نہیں ہوتی

پاس جب تک نہ تیغِ ہمت ہو
کسی صورت ظفر نہیں ہوتی

بار ناحق کا ہم اٹھالیتے
ناتوانی اگر نہیں ہوتی
بزم میں اس کی گرچہ ہے یکتا
کچھ عنایت ادھر نہیں ہوتی

غزل

اس قدر ہے طول اس زلفِ پریشاں کا سبق
صبحِ محشر تک پڑھیں گے شام ہجراں کا سبق
یاد ہو کیونکر نہ مجھ کو اس بت کافر کا نام
کلمۂ توحید ہے جب ہر مسلماں کا سبق
اس سراپا باغ کاروئے کتابی چھوڑکر
عندیوں نے پڑھانا حق گلستاں کا سبق
درس عبرت لے رہے ہیں مکتب عالم میں ہم
ہو مبارک قیس کو حیرت کا ارماں کا سبق
مصحفِ رخسار تاباں پر جو پڑجاتی نظر
بھول جاتے حضرت واعظ بھی قرآں کا سبق
قابلِ صدا رشک ہے یکتا مسلمانی مری
ایک کافر نے دیا ہے مجھ کو ایماں کا سبق

غزل

آج پھر تذکرۂ اشکِ چمن ہوجائے
روکشِ خلد یہ گلزارِ سخن ہوجائے

قتلِ عشاق کو شمشیر کی حاجت کیا ہے
قد ترا دار بنے زلف رسن ہوجائے

ایک قطرہ بھی عرق کا جو جبیں سے ٹپکے
ابھی لبریز ترا چاہ ذقن ہوجائے

میں چمن میں بھی اگر جاؤں تو ویرانہ ہے
تم جو ویرانے میں جاؤ تو چمن ہوجائے

سخت جاں ہوں مجھے کیا ہجر میں موت آئے گی
زہر بھی کھاؤں تو وہ جزِ و بدن ہوجائے

اک نظر ہی میں تری سینکڑوں ناوک ہیں یہاں
سامنے شیر بھی آئے تو ہرن ہوجائے

وحشت غربت میں نہیں رنج ہمیں مرنے کا
قطع ہو جامۂ ہستی تو کفن ہوجائے

ٹوٹنے پائے نہ یہ سلسلۂ تار نفس
میری بالیں پہ جو وہ عہد شکن ہوجائے

نالہ کرتے ہوئے ڈرتا ہوں شبِ فرقت میں
کہیں بیدار نہ وہ تیر فگن ہوجائے

بھول کر بھی نہ وہ غیروں سے کبھی بات کرے
گوش زد اس کے اگر میرا سخن ہوجائے

شکوۂ گردشِ تقدیر کروں کیا یکتا
اور دشمن نہ کہیں چرخ کہن ہوجائے

غزل

مانندِ شمع طاقتِ آہ و فغاں نہیں
شعلہ ہے ایک منھ میں ہمارے زباں نہیں

جانِ عزیز تجھ کو بھی دینی ہے ایک دن
اے خضر تیری عمر بھی تو جاوداں نہیں

اک پردۂ حجاب ہے اس کو نکال دو
میرے تمہارے اور کوئی درمیاں نہیں

خنجر ہر ایک لفظ ہے ہر حرف تیر ہے
تم جس کو سن سکو وہ میری داستاں نہیں

سچ پوچھتے ہو حال اگر دل کا اے بتو
اللہ کا ہے گھر یہ تمہارا مکاں نہیں

دیکھا جسے وہ جل کے وہیں خاک ہوگیا
پھر کیا ہے ان نگاہوں میں جو بجلیاں نہیں

اللہ ہی ہے حافظ اب اس باغِ نظم کا
گلچیں تو سینکڑوں ہیں کوئی باغباں نہیں

ہلکی سی ایک اس کی جبیں پر شکن تو ہے
مانا کہ اس کے ہاتھ میں تیغ و سناں نہیں

یکتا وہ بحرِ حسن نہیں ہے کنار میں
کیوں کر چلے قلم کہ طبیعت رواں نہیں

غزل

بانگِ جرس کو شورِ سلاسل بنادیا
تارِ نفس کو خنجرِ قاتل بنادیا

مجنوں کو ذرے میں لیلیٰ نظر پڑی
اٹھا جو گردباد اسے محمل بنادیا

کیا پوچھنا ہے یار ترے فیضِ حسن کا
جو در پہ آگیا اسے سائل بنادیا

مرنے دیا نہ ہجر میں امیدِ وصل نے
آساں جو کام تھا اسے مشکل بنادیا

وحشت نے میری مجھ کو رکھا کارواں سے دور
بانگِ جرس کو شورِ سلاسل بنادیا

یاد بتاں میں بھولتے تجھ کو نہ اے خدا
تیرے کرم نے اور بھی غافل بنادیا

رک رک کے سانس چلتی ہے سینے میں [illegible] کے
تارِ نفس کو خنجرِ قاتل بنادیا

دنبالہ سرمے کا ہے کہ خنجر کی دھار ہے
جس پر نگاہ پڑگئی بسمل بنادیا

طوفاں میں ناخدا نے لیا جب خدا کا نام

موجوں نے اپنے آپ کو ساحل بنادیا

بیٹھے جہاں تو بیٹھ کے اٹھنا محال ہے
دوگام کو بھی ضعف نے منزل بنادیا

جام شراب نے کبھی جوش بہار نے
منظر جہاں کا دید کے قابل بنادیا

قائل جو دل سے حضرت ہادی کا کیوں نہوں
یکتا کو شعر کہنے کے قابل بنادیا

غزل

of the Registrar of ... Andhra Pradesh

حاصل مجھے [illegible]اں میں بھی لطفِ بہار ہے
[illegible] جوشِ اشک سے اک آبشار ہے

دو دن اگر خزاں ہے تو دو دن بہار ہے
غم پائیدار ہے نہ خوشی پائیدار ہے

کیا جانے مجھ کو آرزو کس دن سے ہے تری
سرگرمِ کار کب سے یہ ناکردہ کار ہے

کیا سیرِ لالہ سے ہو سکوں دل کو ہم نشیں
آنکھوں کے سامنے جگرِ داغ دار ہے

یا رب گناہ گار بھی مظلوم بھی ہوں میں
عصیاں کا ہے حساب نہ غم کا شمار ہے

کل تک جو ترکشِ قاتل میں تھا نہاں
یکتا وہ آج سنیۂ بسمل کے پار ہے